خیر المصادر، چند سال گذرے کہ جناب مولوی حکیم محمد حنیف صاحب دیسنوی بہاری نے مبتدیون کے لیے فارسی زبان کے علم صرف کے مسائل جمع کر کے "خیر المصادر" کے نام سے شایع کیا تھا، اب جناب مؤلف نے طبع ثانی مین "خیر المصادر" پر "خیر القواعد" کا اضافہ کیا ہے، جس مین اسی جامعیت کے ساتھ علم نحو کے مسائل جمع کئے گئے ہین، رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ طلبہ کو فارسی کے تمام مسائل اردو کی مثالون کے ذریعہ سمجھائے گئے ہین، جس سے یہ مسائل خوبی اور آسانی کے ساتھ طلبہ کے ذہن نشین ہو جائنگے، حجم ۹۶ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۶ر، پتہ:- مولوی محمد حنیف صاحب دیسنہ ڈاکخانہ استھاوان ضلع پٹنہ،

نکاح آریہ، مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے رسالہ "نکاح آریہ" مین آریون کی مذہبی کتابون سے اخذ کر کے مذہب آریہ کے مسائل متعلقہ نکاح پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسلام کے مسائل نکاح کی خوبیان دکھائی ہین، ممکن ہے کہ جناب مؤلف اپنے مقصد مین کامیاب ہون، لیکن اسلوب بیان مین وجادلھم بالتی ھی احسن کا اصول فراموش کر دینے کی وجہ سے اسلامی سکینہ و وقار کا دامن ہاتھون سے جاتا رہا ہے، حجم ۹۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۵ر، پتہ دفتر اہلحدیث امرتسر،

بہشتی جھومر یا اسباق النسوان، جناب محمد مرزا خان صاحب دہلوی نے تعلیم یافتہ خاتونون کے لیے زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے، جس مین ناصحانہ انداز مین عورتون کو اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور زندگی بسر کرنے کے چند اصول مثلاً "زود اعتمادی کے برے نتائج"، "غیر مستقل مزاجی کی خرابیان"، اور "اخلاقی حس کو ہمیشہ متاثر رہنا چاہیئے" وغیرہ سمجھائے گئے ہین، حجم ۲۰ صفحے، لکھائی، چھپائی اچھی اور کاغذ چکنا ولایتی ہے، قیمت ۳ر، پتہ:- مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن،

خیر الدین، مسلمانون کے ایک مخصوص طبقہ مین یہ خیال قائم ہو گیا ہے کہ دین و دنیا باہم جمع نہین ہو سکتے، جناب مولوی ابو الخیر صاحب پی ایچ ڈی ایچ کیل نے رسالہ "خیر الدین" مین عقل و [illegible] مین کتاب و سنت سے اسی خیال کی تردید کی ہے، رسالہ کے چند عنوان یہ ہین، اسلام و رہبانیت، "ترک و تجرد"، "تعلیم دین و دنیا"، دور اول کے مسلمان، مسلمانون کی تخلیق، معاشرت اسلامی وغیرہ، رسالہ عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے، حجم ۴۸ صفحے، کاغذ، لکھائی چھپائی متوسط ہے، قیمت ۴ر، پتہ:- [illegible] حیدرآباد دکن سے طلب کرین،

مجلد ہفدہم | ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۲۶ء ۶، | عدد ششم

مضامین

شذرات

مولانا عبد الرحمان مرحوم کے ماتم سے ابھی آنکھین خشک نہین ہوئی تھین کہ ہم کو ندوہ کے ایک دوسرے قابل ترین فرزند مولوی نور الہدیٰ ندوی کے ماتم مین اشکبار ہونا پڑا، جو مقاصد ندوہ کی تکمیل مین ابھی تگ و دو کر رہا تھا، مرحوم نے تقریباً سات سال تک ندوہ مین عربی کی تعلیم حاصل کی پھر تین سال مدرسہ الٰہیات مین بسر کر کے انگریزی شروع کی اور امسال بی اے آنرز کا امتحان دیا تھا، اور اس کے بعد ہم ان سے مقاصدِ ندوہ کے مطابق ہر قسم کی علمی توقعات قائم کر سکتے تھے، جس کے آثار اونکی زندگی کے نہایت ابتدائی دور سے نمایان تھے، اور تعلیمی ترقی کیساتھ ساتھ ان مین بھی تدریجی ترقی ہوتی جاتی تھی، چنانچہ وہ پہلے ندوہ مین طلباء کے قلمی رسالہ الاصلاح کے اڈیٹر رہے، پھر کلکتہ مین ایک روزنامہ کو اڈٹ کیا، رسالہ "نور" جو کلکتہ سے نکل کر چند ماہ کے بعد بند ہو گیا اونھین کے دست و بازو کے بل پر نکلتا رہا، معارف مین بھی انھون نے بعض مضامین لکھے تھے، لیکن اب تکمیل تعلیم کے بعد جبکہ یہ توقعات باضابطہ اور مستقل صورت اختیار کرتین،

این ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد

نہایت مسرت کی بات ہے کہ ہز ہائنس نواب حمید اللہ خان بہادر باقاعدہ کے فرمانروائے بھوپال ہونے کا جو مژدہ گذشتہ پرچہ مین سنایا گیا تھا، اس نے اس مہینہ مین عملی صورت اختیار کی اور

۹ر جون سنہ ۱۹۲۶ء کو باضابطہ طور پر ان کی مسند نشینی کی رسم ادا ہوگئی، اور اس مبارک تقریب مین کئی روز تک بھوپال جشن کدہ بنا رہا، ہم اس موقع پر نہ صرف نواب صاحب کو بلکہ تمام رعایائے بھوپال کو مبارکباد دیتے ہین کہ ان کو ایک ایسے تعلیم یافتہ اور روشن خیال فرمانروا کے زیر حکومت زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہے، جس مین ضروریات زمانہ کے مطابق ریاست کو ہر قسم کی ترقی دینے کی پوری قابلیت و اہلیت موجود ہے،

ہز ہائنس نواب حمید اللہ خان بہادر کی مسند نشینی کے بعد اب ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال سیاسی کشمکش سے آزاد ہو کر اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرینگی جسکی وہ بجا طور پر مستحق ہین، لیکن زمانۂ حکومت مین جو علمی و مذہبی توقعات اونکی ذات سے پوری ہو رہی تھین، وہ اب بھی بدستور قائم ہین، بلکہ ہم کو یقین ہے کہ خدا کی عبادت کے بعد بقیہ اوقات مین ان کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ مسلمانون کے علمی و مذہبی ترقی کی تکمیل ہوگی،

اپریل سنہ ۱۹۲۶ء کے شذرات مین ایک اصلاحی مسئلہ کے متعلق احمد عثمان صاحب نہار بلڈنگس بمبئی کا جو خط معارف مین شائع ہوا تھا اب وہ اس خط کے لکھنے سے انکار کرتے ہین اور اوسکی تردید کرانا چاہتے ہین، اور اگر وہ خط ان کا نہین ہے، اور انکی جانب سے کسی دوسرے شخص نے روانہ کیا ہے تو ہمکو بھی اس کی تردید کرنے مین کوئی تامل نہین ہے، لیکن خط کی تردید کرنے سے اصل واقعہ کی تردید نہین ہوسکتی، اسلیے یا تو اون کو خط کی تردید کے ساتھ اصل واقعہ کی بھی تردید کرنی چاہیے، ورنہ جیسا کہ معارف مین لکھا گیا ہے، اوسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیے،

ہندوستان مین علوم قدیمہ وعلوم جدیدہ کی جو درسگاہین قائم ہین، اون مین گونہ اختلاف یا کم ازکم اتحاد نہ تھا، ندوہ درمیانی کڑی بنکر دونون کو ایک شیرازہ مین منسلک کرنا چاہتا تھا لیکن بدبختی سے اسکو ایک مدت تک اس مین کامیابی نہین ہوئی بلکہ وہ خود ایک تیسرا فریق بن گیا لیکن اب جب کہ ندوہ کے فارغ التحصیل طلبہ نے اپنی علمی قابلیت اور قومی خدمت کی بدولت ملک مین اپنا عام اعتماد قائم کر لیا ہے، اور موجودہ یونیورسٹیون مین علوم اسلامیہ کی تکمیل کی طرف توجہ مبذول کی جانے لگی ہے، دونون قسم کی درسگاہون مین اتحاد کے آثار نظر آنے لگے ہین، چنانچہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے سہیل مین علوم اسلامیہ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس کے اخیر مین وہ تحریر فرماتے ہین،

اس قسم کی استعداد ہماری درسگاہون مین اُس اعلیٰ پیمانے پر حاصل نہین کیجاتی جو لکھنؤ اور دیوبند کے مدارس مین حاصل ہوتی ہے، لہذا تجویز یہ ہے کہ کوئی صورت ایسی نکالی جائے جس سے وہ بہترین پیداوار جو لکھنؤ اور دیوبند سے نکلتی ہین کسی طور پر بروے کار لائی جاسکین مثلاً دیوبند اور ندوہ کے طلبا جو عربی ادب والسنہ اور علوم مشرقی مین اچھی استعداد رکھتے ہین، اگر ان مین سے قابل ترین افراد کو موقع دیا جائے کہ وہ ہماری درسگاہون اور جدید تعلیمات وتحقیقات کے ماحول مین رہ کر تعلیم حاصل کرسکین اور اس کے لیے ہماری یونیورسٹی سامان وسہولت فراہم کرے تو اس کا نتیجہ نہایت طمانیت بخش ہوگا، جو اب تک میسر نہین آسکا ہے بہرحال دیوبند اور ندوہ اور اس قسم کی تمام دیگر درسگاہین اسی یونیورسٹی کے مانند قوم ہی کی ہین ان مختلف درسگاہون کا اتحاد اور اشتراک عمل جہان تک کہ مختلف حالات اور واقعات کے تحت ان کا امکان ہے، ظاہر ہے ہر طور پر پسندیدہ اور قابل آزمائش ہے

دیوبند کا حال ہم کو معلوم نہین، لیکن ندوہ کے فارغ التحصیل طلبا مین ایک بڑی تعداد ندوہ کی تعلیم سے فارغ ہوکر انگریزی زبان کی تکمیل کر چکی ہے، اور ایک بڑی تعداد انگریزی کی تعلیم مین مصروف ہے، اگر مسلم یونیورسٹی نے ندوہ کے فارغ التحصیل طلبا، کے لیے اس قسم کی آسانیان پیدا کین جس سے وہ آزادی کے ساتھ اپنی تعلیم کی تکمیل کر سکے، تو ہم کو یقین ہے کہ طلبائے ندوہ کی ایک بڑی تعداد اس سہولت سے فائدہ اُٹھائے گی، اور اس طور پر نہ صرف ہمارے قدیم وجدید درسگاہون مین اتحاد ہوگا بلکہ مشرقی ومغربی علوم کی سرحدین بھی باہم ملجائین گی،

نہایت خوشی کی بات ہے کہ نواب عماد الملک مرحوم کی سوانح نگاری کی خدمت مولوی سید ہاشم ندوی رکن دائرۃ المعارف کے سپرد کیگئی ہے جنکو خود نواب صاحب مرحوم نے اپنی زندگی ہی مین اسکی اجازت دی تھی،

مولوی صاحب موصوف ندوہ کے ایک قابل فرزند ہین، اور مدتون نواب صاحب کے شرف خدمت سے مستفیض ہوتے رہے ہین، اس لحاظ سے اونکی ذاتی واقفیت کی بنا پر بھی اگرچہ یہ سوانح عمری نہایت جامع ومستند ہوگی، لیکن نواب مہدی یار جنگ نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے مشیر دکن مین یہ اعلان بھی کر دیا ہے، کہ جن صاحبون کے پاس نواب صاحب کے سوانح سے متعلق مواد موجود ہون یا ان کو واقعات یاد ہون وہ ان کی خدمت مین بھیجدین جنکو وہ نہایت شکرگذاری کے ساتھ قبول کرین گے،

اُمید ہے کہ اس اعلان کے بعد نواب صاحب کے سوانح کا تمام متفرق ذخیرہ فراہم ہوجائیگا اور عنقریب اردو زبان مین ایک ضروری اور اہم سوانح عمری کا اضافہ ہوگا،

موتمر قاہرہ مین ، ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۲۶ء کے اجلاس مین خلافت کے وجود شرعی کے متعلق یہ رزولیوشن پاس کیا گیا کہ خلافت کا وجود شرعی اصول کے مطابق ممکن ہے اسلیے تمام مسلمانون کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ایسے وسائل اختیار کرین جن سے اسلامی جماعت مین کوئی تفرقہ و اختلاف نہ پیدا ہو،

لیکن اس کے حاصل کرنے کے لیے تمام عالم اسلام کی متفقہ رائے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت صرف تمام دنیائے اسلام کی عام نمائندگی ہی سے پوری ہو سکتی ہے، لیکن اس موتمر مین تمام دنیائے اسلام کے نمائندے شریک نہ ہو سکے،، اسلیے اس رزولیوشن مین یہ درخواست کیگئی ہو کہ تمام دنیائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ موتمر کے آئندہ جلسہ مین جو قاہرہ مین ہوگا اپنے اپنے نمائندے روانہ کرین جو ایک جگہ بیٹھکر یہ مشورہ کر سکین کہ ایسی شرعی اور مستجمع الشروط خلافت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے، لیکن موتمر حجاز کے تفصیلی حالات ابھی تک معلوم نہ ہو سکے، اگر یہ مقصد اس سے حاصل ہو گیا تو غالبًا موتمر قاہرہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی،

ہندوستان کے اور صوبون مین گورنمنٹ کی طرف سے اردو تصنیفات کی کم از کم یہ قدر دانی تو کیجاتی تھی کہ بہترین تصنیفات پر مصنفین کو سالانہ انعام دیا جاتا تھا، لیکن بد قسمتی سے ہمارا صوبہ متحدہ اس سے بھی محروم تھا، لیکن اب وزیر تعلیمات آنریبل راجیشور بلی نے اسکی تلافی ایک اعلیٰ پیمانے پر کرنی چاہی ہے، اور ایک ہندوستانی اکاڈمی کے قائم کرنے کا ارادہ کیا ہو، لیکن ابھی تک خود گورنمنٹ کی طرف سے اس اکاڈمی کے متعلق کوئی اسکیم شائع نہین ہوئی ہے، اسلیے یہ فیصلہ نہین کیا جا سکتا کہ یہ اکاڈمی اردو زبان کی ترقی مین کس قدر مفید ہوگی،

معارف کے کسی گذشتہ شذرہ مین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے ارکان کو ان کے اس دلآزار رویہ کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، جس مین انھون نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والتسلیم پر اپنی انسائیکلوپیڈیا مین نہایت گستاخانہ حملے کئے تھے اور اس کے ایک پارہ (پیرا) کا ترجمہ بھی نقل کیا گیا تھا، اور اسی سلسلہ مین یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مقالہ نگار کے خیالات مستشرقین اور کرسچن مشنریز کے خیالات کا آئینہ ہین، اور اظہار افسوس کے بعد ارکان کو اسکی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، اس شذرہ کے جواب مین اکولہ (برار) کے ایک مسلمان نے مطلع کیا کہ ارکان انسائیکلوپیڈیا اس عبارت کے وجود سے انکار کرتے ہین، اسکے جواب مین معارف نے اپریل کے شذرات مین اس صفحہ کا حوالہ دیا جس مین وہ عبارت درج ہے، اس اثنا مین اسلامی اخبارات بھی اس واقعہ سے گوش آشنا ہوئے اور بمبئی وغیرہ کے مسلمانون نے جلسۂ عام مین ارکان انسائیکلوپیڈیا کے اس طرز عمل سے بیزاری ظاہر کی جب ارکان انسائیکلوپیڈیا نے اس واقعہ سے مسلمانون مین عام ہیجان دیکھا تو پھر انھون نے بھی لب کشائی کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ کچھ دن گذرے کہ جناب شریدھر وی کیتکار نے جو انسائیکلوپیڈیا کے اڈیٹر ہین، بمبئی کرانیکل مین اس حصہ کے وجود کا اقرار کرتے ہوئے معارف کے اسی خیال کی تصدیق کی کہ "مین نے رسول عربی (صلعم) کے حالات جو صفحہ ۴۴ جلد ۴ مین درج کئے ہین وہ پروفیسر مارگولیتھ کی کتاب "انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھکس" سے ماخوذ ہین" لیکن پروفیسر مارگولیتھ کے علمی و تاریخی تحقیقات کا جو حال ہو اس پر معارف کے کسی گذشتہ مقالہ مین تفصیلی بحث کیجا چکی ہو، مگر حیرت تو یہ ہے کہ یہ کیا شان تحقیق ہو کہ سرزمین ہند مین بیٹھکر ایک ایسے مذہب کے متعلق جسکے پیروؤن کی چوتھائی آبادی ہندوستان مین ہو یورپ کے ایک نہایت مدلس اور متعصب مورخ سے معلومات حاصل کیجاتی ہین حالانکہ اسی سرزمین مین بعض علمی مجلسین مخصوص فن سیرت کے متعلق کام کر رہی ہین، اور یہ مقدس کام ابھی تک جاری ہے، لیکن بہرحال اشک شوئی کے لیے یہ کیا کم ہے کہ جناب مقالہ نگار آخر مین لکھتے ہین، "اگر کوئی عربی دان مسلمان مورخ پروفیسر مذکور کی تحریر کا معقول جواب دے اور تشفی کردے تو مین وہ حصہ حذف کر دونگا" اگر یہ فقرے صدق دل سے لکھے گئے ہین تو نہایت آسانی سے اسکی تعمیل ہو سکتی ہے،

مقالات

نواب عماد الملک مولنا سید حسین بلگرامی مرحوم

مسلمانون مین آج بہت سے لوگ ہین جو مغربی علوم مین مہارت رکھتے ہین، بہت سے لوگ ہین جو قدیم شرقی علوم سے واقف ہین، اور بہت سے لوگ ہین جو سیاست وتدبر کے مرد میدان ہین، لیکن صرف نواب عماد الملک ایک ایسے بزرگ تھے جو ان سب کا مجموعہ تھے، اسلیے ان کی وفات سے اس قحط الرجال مین جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ مدتون خالی رہیگی اور اسلامی جماعت کے تمام حلقون مین ایک مدت تک انکی وفات پر ماتم کیا جائے گا،

نواب صاحب مرحوم کا خاندان اودھ کے مشہور مردم خیز قصبہ بلگرام سے تعلق رکھتا ہے، لیکن وہ ضلع گیا مین سنہ ۱۸۴۲ء مین پیدا ہوئے، اور چودہ پندرہ سال کی عمر تک خانگی مکتب مین اپنے خاندانی علم عربی وفارسی کی تحصیل کی، اوران علوم سے فارغ ہوکر انگریزی زبان اور مغربی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے بھاگلپور مین، پھر پٹنہ مین اور اس کے بعد کلکتہ کے انگریزی مدارس مین تعلیم پاکر سنہ ۱۸۶۱ء مین آنرکے ساتھ فرسٹ گریڈ مین بی، اے پاس کیا، تعلیم سے فارغ ہوکر اپنے علمی ذوق کی وجہ سے ملازمت کے لیے محکمہ تعلیمات کو پسند کیا، اور کیننگ کالج لکھنؤ مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، لیکن سنہ ۱۸۷۳ء مین جب مدار المہام دولت آصفیہ نظام سر سالار جنگ بہادر اعظم سیاحت کرتے ہوئے وارد لکھنؤ ہوئے تو جنرل بارو نے ان سے نواب صاحب کو ملایا اور انکی ذاتی وعلمی خوبیان بیان کین، چنانچہ وہ ان کے گرویدہ

ہوگئے اور انکو سرکار نظام کی ملازمت کا شوق دلایا، اور وہ سنہ ۱۸۷۳ء مین حیدرآباد پہنچکر سر سالار جنگ کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے، سنہ ۱۸۷۶ء تک یہی خدمت انجام دی اس کے بعد سر سالار جنگ مغربی یورپ سے واپس آئے تو ان کو اپنا پرائیوٹ سکریٹری اور معتمد صیغۂ متفرقات مقرر کیا، جسمین سررشتۂ تعلیم اور متعدد چھوٹے چھوٹے محکمے شامل تھے، اس کے بعد جب حضور پرنور نواب میر محبوب علیخان بہادر مسند آرائے سلطنت ہوئے تو نواب صاحب کو اپنا پرائیوٹ سکریٹری مقرر فرماکر "علی یار خان مؤتمن جنگ بہادر" کا خطاب عطا فرمایا، اور چند سال کے بعد ان کو عماد الدولہ اور پھر عماد الملک کے خطابات عطا ہوئے تھوڑے زمانہ کے بعد وہ ناظم تعلیمات مقرر ہوئے، اس کے بعد ان کو گورنمنٹ نے سنہ ۱۹۰۲ء مین مجلس وضع قوانین کا رکن نامزد کیا، پھر چند سال کے بعد جب اصلاحات مارلے نافذ ہوئین تو وہ وزیر ہند کی مجلس کے رکن منتخب کیے گئے اور سنہ ۱۹۰۷ء سے سنہ ۱۹۰۹ء تک اس معزز منصب پر سرفراز رہے، اسی زمانہ مین انکو سی، ایس، آئی کا خطاب اور تمغہ ملا، اس مجلس کی رکنیت سے بوجہ علالت دست بردار ہوکر واپس تشریف لائے، توان کو مدار المہام نواب سالار جنگ ثالث کی مدد کے لیے مشیر المہام مقرر کیا گیا اور اس عہدہ سے علیحدہ ہونے کے بعد اگرچہ انھون نے پھر کوئی سرکاری خدمت قبول نہین کی، لیکن اعلیٰ حضرت شہریار دکن کی نگاہ مین ان کا اعزاز ہمیشہ قائم رہا،

نواب صاحب مرحوم کی زندگی کے یہ تمام پہلو اگرچہ دنیوی حیثیت سے نہایت روشن ونمایان ہین، لیکن ہم معارف کے صفحات مین ان کا ماتم اسلئے کرتے ہین کہ ان دنیوی اعزازات ومشاغل نے انکی علمی شان مین کوئی فرق پیدا نہین کیا، چنانچہ عربی شعرا کے کلام پر ان کو نہایت عبور رہا، اور شعرائے جاہلیت کے سادہ اشعار کو نہایت پسند کرتے تھے، انگریزی بھی نہایت سادہ اور سہل ممتنع لکھتے تھے، اور نہ صرف انگریزی نثر مین کمال رکھتے تھے، بلکہ انگریزی کے بہت بڑے شاعر بھی تھے اخیر عمر مین قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی شروع کیا تھا جو سولہ پارہ تک ہوکر ضعف بصارت وعلالت کی وجہ سے رک گیا

اس ترجمہ مین بالکل بائبل کی زبان اختیار کی ہے، انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان کے بھی ماہر تھے، اور اس سے بے تکلف ترجمہ کر سکتے تھے، بنگالہ مین نشو و نما ہونے کی وجہ سے بنگالی زبان بھی بے تکلف بولتے تھے، ان علمی کمالات نے ان کے اخلاق و معاشرت پر بھی نہایت نمایان اثر ڈالا تھا چنانچہ وہ ہمیشہ علما و فضلا کے قدردان رہے اور ان کو ایک عالم یا طالب العلم کی صحبت مین چاہے وہ کتنی ہی کم حیثیت کیون نہ ہو بڑا لطف آتا تھا، طرز معاشرت بالکل عالمانہ و سادہ تھی، ظاہری حیثیت سے اگرچہ وہ ایک شاندار کوٹھی مین رہتے تھے، لیکن جب مخلی بالطبع ہوتے تھے تو کتابون کے ڈھیر کے درمیان کسی بوریا یا دری پر بیٹھکر کسی مسئلہ کی تحقیق یا کسی تاریخی واقعہ پر گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے تھے،

مشرقی و مغربی علوم و فنون کے اجتماع کی بنا پر ندوہ سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، چنانچہ انھون نے ندوہ کو اپنا قیمتی انگریزی کتب خانہ عطا فرمایا، اور ہر موقع پر طلبائے ندوہ کی سرپرستی و قدردانی کرتے رہے، آج دائرۃ المعارف حیدرآباد مین ندوہ کے جو فارغ التحصیل طلباء کام کر رہے ہین، وہ ان کی اس قدردانی و سرپرستی کے مشکور و معترف ہین،

ایک علمی مرکز ہونے کی حیثیت سے انھون نے دار المصنفین کے ساتھ ابتدا ہی سے اپنا شغف قائم کیا اور اخیر زندگی تک قائم رکھا، چنانچہ دار المصنفین قائم ہوا تو انھون نے اس کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر فرمائی، اور لکھا کہ دار المصنفین پہلا انسٹیٹیوشن ہے جس کے لیے مین یہ مستقل رقم مقرر کرتا ہون، لیکن بااینہمہ چونکہ یہ رقم ان کے حوصلے کے مطابق نہ تھی اسلیے اس پر ہمیشہ تاسف و ندامت کا اظہار کرتے رہے، اس کے علاوہ اس شغف کے اور بھی متعدد شواہد موجود ہین، مثلاً ہمیشہ معارف کا بالاستیعاب مطالعہ فرماتے تھے، دار المصنفین کی تصنیفات جب ان کی خدمت مین بھیجی جاتی تھین تو ان کو لازمی طور پر پڑھتے تھے، اور اگر ضعف و علالت کی وجہ سے خود نہین پڑھ سکتے تھے تو دوسرون سے پڑھوا کر سنتے تھے، اور ان تصنیفات کے پہنچنے پر جو خط لکھتے تھے اس مین انکی داد دیتے تھے، اور اپنی مسرت کا اظہار کرتے تھے، افسوس ہے کہ مولانا سید سلیمان

صاحب ندوی اس وقت موجود نہین ہین ورنہ ہم ان کے خطوط کے متعدد اقتباسات نقل کرتے جن سے ان کی اس دلآویزی اور دلچسپی کا واضح طور پر اظہار ہوتا، علمی حیثیت سے ان کی سب سے بڑی یادگار مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد ہے، جو ہندوستان مین اپنے قسم کی پہلی یادگار ہے، آج ہندوستان مین عربی زبان کی قدیم و نادر کتابون کی طبع و اشاعت کا کوئی سامان نہین ہے، جدید تعلیم یافتہ گروہ کو تو اس کی پروا ہی نہین، لیکن قدیم تعلیم یافتہ جماعت نے بھی اسکی طرف توجہ نہین کی، نواب صاحب مرحوم پہلے شخص ہین جھون نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حیدرآباد مین اس غرض کے لیے ایک مستقل انجمن دائرۃ المعارف کے نام سے قائم کی جو ہر سال عربی کی نادر الوجود کتابون کو اڈٹ کر کے شائع کرتی ہے، چنانچہ ابھی حال ہی مین مستدرک حاکم اور مباحث مشرقیہ امام رازی جیسی اہم اور نادر الوجود کتابین شائع ہو چکی ہین اور متعدد نادر الوجود قلمی کتابون کی تصحیح ہو رہی ہے،

نواب صاحب مرحوم کی یہ ایک ایسی یادگار ہے جو اگر مستقل طور پر قائم رہی، تو ہمیشہ علماء و فضلا کو اپنا گرویدۂ احسان رکھیگی، اور اس سے ریاست حیدرآباد کے علمی وقار مین بھی نمایان اضافہ ہوگا،

عقیقہ
اور
اوس کے مصالح

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

عرب جاہلیت مین جو رسمین موجود تھین اُن مین بعض کو تو اسلام نے بالکل مٹا دیا، اور بعض کا جو حصہ قابل اصلاح تھا اوسکی اصلاح کر دی، اور بقیہ حصہ کو بعینہ قائم رہنے دیا، صرف اہل عرب کی خصوصیت نہیں بلکہ جو باتین دوسری قومون اور دوسرے مذاہب مین موجود تھین، اگر وہ تمدّنی اغراض کے لیے مفید ثابت ہوئین تو اسلام نے ان کو بھی قائم رکھا، مثلاً خراج اور عشر کے جو قوانین کیقباد اور نوشیروان نے مقرر کیے تھے اسلام نے بھی اسی قسم کے قوانین مقرر کیے اور حدود و تعزیرات کے متعلق اسلام کا قانون بالکل تورات کے موافق ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین ایک سرخی قائم کی ہے "باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم" اور اس مین اس قسم کی متعدد مثالین درج کر کے لکھتے ہین،

وامثال هذه كثيرة جدا لا تخفى على المتتبع بل لو كنت فطنا محيطا بجوانب الاحكام علمت ايضا ان الانبياء عليهم السلام لم ياتوا في العبادات بغير ما عندهم او نظيره لكنهم نفوا التحريفات الجاهلية

اس قسم کی مثالین یقیناً بہت ہین جو تلاش و جستجو کرنیوالے سے مخفی نہین، بلکہ اگر تم ذہین اور احکام کے اطراف و جوانب پر حاوی ہو تو تم کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام عبادات کے متعلق بھی وہی باتین لاتے ہین جو بعینہا اونکی نظیر انکی قوم مین موجود تھین البتہ انھون نے جاہلیت

عقیقہ بھی ایک ایسی رسم ہی، جو عرب جاہلیت مین موجود تھی اور اسلام نے بعض تغیرات کے ساتھ اوسکو قائم رکھا، مثلاً جاہلیت مین یہ دستور تھا کہ بچے کا عقیقہ کرتے تھے تو بکری کا خون اُس کے سر مین ملتے تھے، اسلام نے اس کی ممانعت کی اور بقیہ باتون کو قائم رکھا،[۱] لیکن حدیثون اور اسلامی تاریخون سے یہ معلوم نہین ہوتا کہ اہل عرب مین یہ رسم خود ملت ابراہیمیہ کی یادگار تھی؟ یا انھون نے اس کو خود ایجاد کر لیا تھا؟ یا کسی دوسری قوم سے اخذ کیا تھا؟ البتہ قرائن سے ان تمام احتمالات کی تائید کیجا سکتی ہے مثلاً زمانۂ حج مین قربانی کیجاتی ہے اور سر کے بال منڈوائے جاتے ہین، اور عقیقہ کی رسم کو ان دونون باتون سے مشابہت حاصل ہے، اس لیے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسم خود ملت ابراہیمیہ کی یادگار ہو گی یا کم از کم اہل عرب نے حج کے ان مناسک کی مناسبت سے اس کو ایجاد کر لیا ہو گا، اس کے ساتھ مشہور مورخ ہیروڈوٹس کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مصر مین بھی اسی کے مشابہ ایک رسم یہ جاری تھی کہ جب وہ لوگ کسی دیوتا کے آگے منت مانتے تھے تو اس کو جانورون کے ذریعہ سے اس طرح پورا کرتے تھے کہ منت مانگتے وقت بچے کے سر کو پورا یا نصف، یا تہائی منڈا دیتے تھے اور اس کے بعد ان بالون کے برابر چاندی کی ایک مقدار تول کر اس جانور کے محافظ کو دیدیتے تھے، جسکو لیکر وہ مچھلیان خریدتا تھا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس جانور کو کھلا دیتا تھا، ہمارے بعض تعلیم یافتہ دوستون کا خیال ہے کہ ہندؤن مین مونڈن کی جو رسم جاری ہے وہ بھی غالباً مصریون کی اسی رسم سے ماخوذ ہے، کیونکہ تاریخی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریون اور ہندؤن مین قدیم تعلقات تھے، اور ان کے متعدد مراسم مین اتحاد پایا جاتا ہے (مثلاً تعظیم بقر، تقسیم ذات وغیرہ) اور رسول اللہ صلعم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو عقیقہ کیا تھا اوسکی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ کے لڑکے تھے جو مصری تھین اور رسول اللہ صلعم نے اس رسم کو بے ضرر اور غیر بت پرستانہ رسم خیال کر کے انھی کے مصری

[۱] ابوداؤد و کتاب الاضاحی باب العقیقہ،

طریقہ کے مطابق اس پر عمل کیا، لیکن اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ آپ نے اس کو کوئی اسلامی رسم قرار دیا
لیکن حضرت ابراہیم کے عقیقہ کی بحث آگے آئیگی اوس سے ثابت ہوجائے گا کہ ان کا عقیقہ بروایت صحیح
ثابت نہین، اور ہمنے ابو داؤد کے حوالے سے اوپر جس روایت کا خلاصہ نقل کیا ہے، اوس سے
صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے پہلے عرب مین عقیقہ کا رواج موجود تھا، یہ ممکن ہے کہ خود اہل عرب نے
اس رسم کو مصریون سے اخذ کیا ہو، لیکن رسول اللہ صلعم نے اس کو بہرحال ایک عربی ہی رسم کی حیثیت سے
قائم رکھا جو بے ضرر ہونے کے ساتھ متعدد حکم و مصالح پر مشتمل تھی چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین

عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے تھے اور وہ ان کے نزدیک نہایت ضروری اور سنت مؤکدہ
تھا چونکہ اس مین بہت سی مصلحتین تھین جنکا تعلق مذہب، تمدن اور اخلاق سے تھا اس لیے
رسول اللہ صلعم نے بھی اس کو قائم رکھا، اس پر عمل فرمایا اور لوگون کو اس کی ترغیب دی،
مثلاً ان مین ایک مصلحت یہ ہے کہ لطیف طریقے سے لڑکے کے نسب کی اشاعت کی جائے،
کیونکہ اسکی اشاعت ضروری ہے، تاکہ اس کے متعلق ایسی باتین نہ کہی جائین جنکو وہ پسند نہ کرتا ہو
لیکن یہ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ ایک شخص گلیون مین گھوم گھوم کر یہ منادی کرے کہ میرے لڑکا
پیدا ہوا ہے، اس لئے عقیقہ کے ذریعہ سے اس مین لطافت پیدا ہوگئی، ایک مصلحت یہ ہے
کہ جذبہ فیاضی کی پیروی اور جذبہ بخل کی نافرمانی کیجائے، ایک مصلحت یہ ہے کہ عیسائیون کے
یہان جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگتے تھے اور اس کو تعمید کہتے تھے،
اور ان کا قول تھا کہ اس کے ذریعہ سے لڑکا عیسائی ہوجاتا ہے اس لیے رسول اللہ صلعم نے
یہ پسند فرمایا کہ ان کے اس فعل کے مقابل مین حنیفیون (مسلمانون) کا کوئی فعل بھی ایسا
ہونا چاہیئے جس سے معلوم ہو کہ لڑکا حنیفی اور ملت ابراہیمی و اسمٰعیلی کا پیرو ہے، اور ان
دونون پیغمبرون کے ساتھ جو افعال مخصوص اور ان کی اولاد مین وراثتہً چلے آتے ہین

وہ یہ ہین کہ انھون نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا عزم کیا پھر خدا نے ان پر احسان کیا اور
ایک ذبح عظیم کو ان کا فدیہ بنایا، اور ان کے شرائع مین سب سے زیادہ مشہور حج ہے جس مین
بال منڈوانا اور قربانی کرنا داخل ہے، اسلیے اس مین ان دونون کی مشابہت کرنا منجملہ
کی عظمت اور یہ منادی کرنا ہے کہ لڑکے کے ساتھ وہ طریقہ برتا گیا جو اس مذہب کے اعمال مین
سے ہے،...... ساتوین دن کی تخصیص اسلیئے ہے کہ ولادت اور عقیقہ کے درمیان فصل
کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اوس کے اعزہ ابتدا مین زچہ و بچہ کی اصلاح مین مشغول ہوتے ہین
اسلیئے ان کو ایسی تکلیف نہین دیگی جو انکی مشغولیت کو اور بڑھا دے نیز بہت سے لوگ
بکرے کو بڑی محنت سے پاتے ہین اس لیے اگر عقیقہ کو پہلے ہی دن مسنون کر دیا جائے
تو ان پر تنگی پڑ جایگی،......

سر کا بال منڈوانا تو جیسا کہ ہمنے بیان کیا حاجیون کی مشابہت کیلئے ہے، اور نام اس دن
اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کو نام رکھنے کی ضرورت نہین پیش آتی،
چاندی کے خیرات کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکا جب جنینیت سے طفلیت کی طرف منتقل ہوا
تو یہ ایک احسان ہے جسکا شکریہ واجب ہے اور بہترین چیز جسکے ذریعہ سے یہ شکریہ ادا
کیا جائے وہ چیز ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ اس کا معاوضہ ہے اور چونکہ بچے کا بال
نشارۂ جنینیہ کا بقیہ ہے، اور اس کا مونڈ دینا نشارۂ طفلیہ کی علامت ہے، اس لئے
یہ ضروری ہوا کہ بال کے وزن کے برابر چاندی دینے کا حکم دیا جائے اور چاندی کی تخصیص
اس لیے ہے کہ سونا قیمتی ہوتا ہے اور اس کو صرف دولتمند پا سکتا ہے،[1]

لیکن باینہمہ احادیث مین عقیقہ کی عملی مثالین بہت کم مذکور ہین، صحابۂ کرام رض کا دستور تھا کہ

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸

جب ان کے یہان اولاد ہوتی تھی تو اُس کو رسول اللہ صلعم کی خدمت مین لاتے تھے اور آپ اُس کا نام رکھتے تھے اور کھجور کا ایک ٹکڑا چبا کر اُس کے منھ مین ڈال دیتے تھے، جسکو اصطلاح مین تحنیک کہتے ہین امام بخاری نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کیے ہین لیکن ان حدیثون مین سے کسی مین یہ تصریح نہین ہے کہ ان بچون کے عقیقے مین آپ نے شرکت فرمائی یا کم از کم ان کا عقیقہ کیا گیا،

بچے کی ولادت کی خوشی تو ہر شخص کو ہوتی ہے، لیکن اسلام کی تاریخ مین بعض مواقع ایسے پیش آئے کہ اس پر عام قومی مسرت کا اظہار کیا گیا، چنانچہ مہاجرین ہجرت کرکے مدینہ مین آئے تو ان سے کہا گیا کہ یہود مدینہ نے تمپر جادو کر دیا ہے جس کے اثر سے تم لوگون کے یہان اولاد نہ ہوگی، اس لیے جب ہجرت کے بعد سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو ان کی ولادت پر تمام مہاجرین کو مسرت ہوئی، لیکن باوجود اس عام قومی مسرت کے ان کا عقیقہ نہین کیا گیا، امام بخاری نے کتاب العقیقہ مین اس قسم کی متعدد حدیثون کو نقل کرکے جو نتیجہ نکالا ہے، اوسکی بنا پر یہ باب قائم کیا ہے،

باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ	باب اس دن لڑکے کے نام رکھنے کا جس روز وہ پیدا ہو اُس شخص کے لیے جس نے اوسکا عقیقہ نہین کیا اور اسکی تحنیک کرنے کا،

بخاری کی ان حدیثون مین ولادت کے پہلے ہی دن جن بچون کے نام رکھے گئے اور انکی تحنیک کیگئی ان کے نام ابراہیم بن ابی موسیٰ، عبد اللہ بن ابی طلحہ اور عبد اللہ بن زبیر ہین، اور ان ناموں کو گنا کر حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین،

فانہ لم ینقل انہ عق عن احد منہم[1]	کیونکہ یہ منقول نہین ہے کہ ان مین سے کسی کا عقیقہ کیا گیا،

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۰۰،

خود رسول اللہ صلعم کی اولاد مین حضرت ابراہیم علیہ السلام ۸ھ میں اسلام مین پیدا ہوئے ہین اور حافظ ابن حجر نے انھی تین بچون کے سلسلے مین اونکو بھی شامل کر لیا ہے، بخاری اور مسلم مین بھی ان کی ولادت کا واقعہ مذکور ہے، لیکن اس مین بھی عقیقہ کی تصریح نہین ہے، چنانچہ مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہین،

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد لی اللیلۃ غلام فسمیتہ باسم ابی ابراھیم ثم دفعہ الی ام سیف امرأۃ قین یقال لہ ابو سیف فانطلق یأتیہ واتبعتہ فانتہینا الی ابی سیف وھو ینفخ بکیرہ قد امتلاء البیت دخانا فاسرعت المشی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا ابا سیف امسک جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامسک فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالصبی فضمہ الیہ وقال ماشاء اللہ ان یقول[1]	حضرت انس بن مالک کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ رات میرے بچہ پیدا ہوا اور مینے اپنے باپ ابراہیم کے نام پر اوسکا نام رکھا پھر آپ نے اسکو ام سیف کے حوالہ کیا جو ایک لوہار ابو سیف نامی کی بی بی تھین (بطور دایہ و مرضعہ کے) آپ ان کے یہان چلے اور مین بھی پیچھے پیچھے چلا، ہم ابو سیف کے یہان پہنچے تو وہ بھٹی کو پھونک رہے تھے اور گھر دھوین سے بھر گیا تھا، مین تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے آگے بڑھکر کہا کہ اے ابو سیف رک جاؤ رسول اللہ صلعم تشریف لائے ہین وہ رک گئے تو آپ نے بچے کو طلب فرمایا اور اسکو لپٹایا اور جو کچھ کہنا چاہا کہا (یعنی پیار اور محبت کے الفاظ)

لیکن اہل سیر کا بیان ہے کہ آپ نے ساتوین دن ان کا عقیقہ کیا اس مین دو مینڈھے ذبح کیے ابو ہند نے ان کا سر مونڈا آپنے اسی دن ان کا نام رکھا ان کے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور انکے بال کو زمین مین دفن کر دیا، لیکن چونکہ یہ واقعہ مسلم و بخاری کی حدیث کے مخالف ہے، اس لیے زرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح مین لکھا ہے،

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک،

ففی ہذا الحدیث الصحیح انہ سماہ صبیحۃ الولادۃ فیعارض ما ذکرہ اہل السیر انہ سماہ یوم سابعہ ویجمع بینہما بان التسمیۃ کانت قبل السابع کما فی حدیث انس ہذا ثم ظہرت فیہ۔[1]

تو اس حدیث صحیح مین یہ ہے کہ آپنے ولادت کی صبح ہی کو بچہ کا نام رکھا اسلیے اہل سیر نے جو یہ بیان کیا ہے کہ آپنے ساتوین دن ان کا نام رکھا یہ اس کے معارض ہے، لیکن ان دونون مین یہ تطبیق دیجا سکتی ہے کہ جیسا کہ انس کی اس حدیث مین ہے ساتوین دن سے پہلے نام تو رکھدیا گیا لیکن ساتوین دن اسکا اعلان کیا گیا۔

لیکن ہمارے نزدیک تطبیق کی ضرورت وہان پڑتی ہی جہان دو مساوی درجہ کی روایتون مین تعارض واقع ہو، لیکن بخاری و مسلم کی روایتون کے مقابل مین اہل سیر کی روایتون کا کیا پایہ ہے؟ اسلیے یہ تطبیق غیر ضروری ہی؛ اور مسلم و بخاری ہی کی روایتون کو اس معاملہ مین لازمی طور پر مرجح خیال کرنا چاہیئے،

البتہ بخاری و مسلم کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابون مین یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت حسن علیہ السلام کے عقیقہ مین ایک بکری ذبح کی، چنانچہ ترمذی کی ایک روایت مین ہے کہ آپ نے ولادت کے دن حضرت حسن علیہ السلام کے کان مین اذان کہی، امام ترمذی نے اس واقعہ کو باسناد روایت کیا ہی، اور اسی کے ضمن مین لکھا ہے کہ یہ روایت بھی کیگئی ہے کہ آپنے حضرت حسن علیہ السلام کے عقیقہ مین ایک بکری ذبح کی اور بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہین لیکن اس موقع پر اس روایت کا سلسلۂ اسناد نہین بیان کیا ہے، دوسری حدیث اس سے زیادہ مصرح ہے، اور اس مین سلسلۂ اسناد بھی مذکور ہے، اس کے اخیر راوی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین ہین جو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے امام حسن علیہ السلام کے عقیقہ مین ایک بکری ذبح کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ان کے سر کو مونڈ وا دو، اور ان کے

بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو، تو مین نے وزن کیا تو وہ ایک درہم یا درہم کے کچھ حصے کے برابر ہوئے، لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اسکی سند متصل نہین ہے کیونکہ ابو جعفر محمد بن علی نے علی بن ابی طالب کا زمانہ نہین پایا[1] اس لیے لازمی طور پر ان دونون کے درمیان کا کوئی راوی چھوٹ گیا ہے جس کے متعلق ہم کو کچھ معلوم نہین ہے

ابو داؤد کی روایت مین امام حسین علیہ السلام کا نام بھی شامل ہے، چنانچہ اوس کے الفاظ یہ ہین

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن الحسن والحسین کبشا کبشا.

رسول اللہ صلعم نے امام حسن و حسین علیہما السلام کے عقیقہ مین ایک ایک مینڈھا ذبح کیا،

لیکن حافظ ابن حجر کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بہت زیادہ قوی نہین ہے کیونکہ تمام روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکے کے عقیقہ مین دو بکرے یا دو مینڈھے ذبح کرنے چاہئین، اور اس حدیث مین صرف ایک مینڈھے کی تصریح ہے، چنانچہ وہ اس حدیث کے معارض روایتون کو نقل کرکے لکھتے ہین،

وعلی تقدیر ثبوت روایۃ ابی داؤد فلیس فی الحدیث ما یرد بہ الاحادیث المتواردۃ فی التنصیص علی التثنیۃ للغلام بل غایتہ ان یدل علی جواز الاقتصار[2]

اور ابو داؤد کی روایت کے ثابت ہوجانے کے بعد بھی یہ حدیث ان متوار حدیثون کی تردید نہین کرتی جن مین یہ تصریح ہے کہ لڑکے کے عقیقہ مین دو جانور ذبح کرنے چاہئین انتہا انتہا اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہی کہ ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے،

ان تمام روایتون سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ

(۱) اسلام مین بہت سے بچے عہد نبوت مین پیدا ہوئے اور ان کا عقیقہ نہین کیا گیا،

[1] ترمذی کتاب الاضاحی باب ما جاء فی العقیقہ، [2] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۵۱۱،

(۲) خود رسول اللہ صلعم کی اولاد مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیقہ بروایت صحیح ثابت نہین،

(۳) حضرت حسنین علیہما السلام کا عقیقہ بھی بہت زیادہ جید اور قوی حدیثون سے ثابت نہین،

ان روایتون کے بعد وہ حدیثین ہین جنمین عقیقہ کا عام حکم دیا گیا ہے، مثلاً،

عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریۃ شاۃ — لڑکے کی جانب سے دو یکسان بکریان اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری

کل غلام رھینۃ بعقیقتہ تذبح عنہ یوم سابعہ ویحلق ویسمی، — ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گرو ہے اس کے ساتوین دن اس کی جانب سے ذبح کیا جائے، سر مونڈا جائے اور نام رکھا جائے،

یہ روایتین ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور حدیث کی عام کتابون مین مذکور ہین، لیکن امام بخاری نے اس قسم کی حدیثون کی روایت مین بھی نہایت احتیاط سے کام لیا ہی، یہانتک کہ اسماعیلی کا قول ہی

لم یخرج البخاری فی الباب حدیثاً صحیحاً علی شرطہ، — بخاری نے اس باب مین اپنی شرط کے موافق کسی حدیث صحیح کی روایت نہین کی،

انھون نے ایک باب باندھا ہے،

باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ — عقیقہ مین لڑکے سے تکلیف یعنی بالون کا دور کرنا،

اور اس کے تحت مین ایک موقوف حدیث یہ لائے ہین،

مع الغلام عقیقۃ — لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہی،

لیکن اس مین اماطہ اذی یعنی بالون کے مونڈوانے کا ذکر نہین،

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہین،

مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا عنہ دما واميطوا عنہ الاذی، — لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اوسکی جانب سے ذبح کرو، اور اسکی تکلیف یعنی بالون کو دور کرو،

لیکن یہ حدیث بھی بعض لوگون کے نزدیک منقطع ہی، عقیقہ کی سب سے مصرح حدیث جسکے الفاظ یہ ہین

الغلام مرتھن بعقیقۃ تذبح عنہ یوم السابع ویحلق راسہ ویسمی، — لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گرو ہی جو اسکی جانب سے ساتوین دن ذبح کیا جائے اس کا سر مونڈا جائے اور نام رکھا جائے،

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی سند سے مروی ہے، لیکن امام بخاری نے اس کے متعلق صرف اس قدر روایت کی ہے کہ حبیب بن الشہید کا بیان ہے کہ مجھکو ابن سیرین نے حکم دیا کہ حسن سے پوچھون کہ انھون نے عقیقہ کی حدیث کس سے سنی؟ مین نے ان سے دریافت کیا تو انھون نے کہا کہ سمرہ بن جندب سے لیکن اصل روایت کو نقل نہین کیا ہے، جسکی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ روایت بہت مشہور تھی اسلئے انھون نے اسکی روایت ضروری نہین سمجھی، احادیث کے بعد ائمہ کے اقوال و مذاہب ہین جن مین اصحاب الرائے اس کو سنت نہین سمجھتے بلکہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ عقیقہ جاہلیت کی ایک رسم تھی جسکو اسلام نے مٹا دیا، امام محمد کے نزدیک زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام مین عقیقہ کا رواج بے شبہہ تھا، لیکن قربانی کی فرضیت نے اسکو منسوخ کر دیا، اس کے بخلاف اہل ظاہر اور امام حسن بصری کے نزدیک وہ واجب ہی، لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ ایک مستحب چیز ہے اور امام شافعی نے اسی کو ایک معتدل روش قرار دیا ہے،

عربون کا علم طب شام میں

اور

یورپ کا اوس سے استفادہ[1]

مترجمہ:- مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

عربون کی سلطنت مین علم طب کو خاص عروج حاصل ہوا، اطبا رخاص وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اونھین خلفا، کے دربار مین خاص اعزاز و اکرام حاصل تھا، وہ بعض خلفار کے مجلیس اور مشیر کار ہوتے تھے، انھین خلعتون سے سرفراز کیا جاتا تھا، اور اسی تناسب سے ان کے پاس دولت و ثروت کا ذخیرہ ہوتا تھا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جبرئیل بن بختیشوع نے اپنے بعد اس قدر دولت چھوڑی کہ صرف اس کے لڑکے عبید اللہ کو......۰ دینار یعنی تقریباً.....۰۶ مصری پونڈ ملے، علاوہ ازین جائداد غیر منقولہ مین چند گاؤن، باغ، اور متعدد عالیشان محل وراثت مین ملے تھے،

سلطنت مین یہ قانون جاری تھا کہ طلبہ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے ساتھ علم طب اور تشریح کو بھی ضرور حاصل کرین، یہی وجہ ہے کہ شام کے طبیبون مین تحصیل علم کا ایک خاص ذوق پیدا ہو گیا تھا، وہ علم کے لیے متعدد سفر کرتے تھے لیکن سفر کی درازی، اس کے مصائب، اور اجنبی زبانون کی تحصیل مین پیش آنے والی دشواریان ان کے علمی ذوق کے پورا کرنے مین سدّ راہ

[1] ماخوذ از خطبہ ڈاکٹر توفیق صوصہ مندرجہ الہلال بابت مارچ ۲۶ء،

نہین ہوتی تھین، چنانچہ اسحاق ابن حنین — جسکی کتابین از منۂ وسطی مین بھی درس طبیہ کی بنیاد رہ چکی ہین — اسی شام کے بادیہ سے اوٹھا اور پہلے یوحنا ابن ماسویہ سے جو یورپ مین MESSUES کے نام سے مشہور ہے، تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ایران، پھر یونان کا سفر کیا، اور ان دونون مقامات پر وہان کی زبانین سیکھ کر وہان کے ممتاز اساتذہ سے مختلف علوم کی تکمیل کی جب اسے علوم طبیہ مین کافی دستگاہ حاصل ہو گئی تو اس نے اُن تین اسکولون کی طرف توجہ کی جو اس کے زمانہ مین بقراط، افلاطون، اور جالینوس کے نام سے رائج تھے، اسحاق نے پہلے ان اسکولون مین باہم موازنہ کیا، پھر ہر اسکول کی مختلف کتابون مین سے بعض کتابون کے ترجمے کیے اور بعض کی شرحین لکھین، اس کے بعد ان ترجمون اور شرحون پر دیگر جدید تجربون اور نظریون کا اضافہ کرنے کے ساتھ ان اسکولون کے بہت سے غلط نظریون کی تصحیح بھی کی، پھر مختلف مباحث مثل علم طب، حفظان صحت، شفا، امراض، اور تندرست ہو جانے کے بعد قوت حاصل کرنے کے طریقون وغیرہ پر متعدد کتابین لکھین، چنانچہ قرون وسطیٰ تک یہی کتابین یورپ اور ایشیا کے طبی مدرسون کے نصاب مین داخل تھین، یہانتک کہ اسکندریہ کے مشہور ترین مدرسہ طبیہ کا نصاب بھی انھین کتابون پر مشتمل تھا،

کیمیا

علم کیمیا علمائے عرب کا رہین منت ہے کہ انھون نے کیمیا کے ایسے بیشتر اجزار کا اکتشاف کیا ہے جو اس وقت بہت سے معالجون کی بنیاد ہین، یورپ ان علمار مین سے جابر بن حیان کو کیمیا کا مکتشف خیال کرتا ہے، اُسے انگلستان کا مشہور فلسفی بیکن (BECON) "استاذ الاساتذہ" کا لقب دیتا ہے، اور یورپ کا مشہور ریاضی دان کارڈن (CORDON) اسے اُن بارہ ماہرین کی صف مین داخل کرتا ہے جو اپنے علم و فن کے لحاظ سے دنیا مین سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہین

یہ واقعہ ہے کہ علم کیمیا پر جابر بن حیان کے احسانات بہت زیادہ ہیں، مثلاً اسی نے عرق کشی و بھاپ کا
اٹھانا، کلورائڈات سوڈیم (نمک) پارہ، اور روح شراب اور شوریت رکھنے والی بوٹیون یعنی نباتات علیہ
وغیرہ کا اکتشاف کیا تھا، اور یہ نظریہ اسی کا دریافت کیا ہوا ہے کہ حرارت کے ذریعہ سے اجسام زیادہ
ثقیل کئے جا سکتے ہیں، اور سونے کے پگھلانے کا طریقہ بھی اسی نے سب سے پہلی مرتبہ معلوم کیا ہے،

جابر بن حیان کے بعد ابوبکر الرازی کا دور آتا ہے، جسے اہل مغرب RHAZES
کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس نے نشہ آور اشیاء کی عرق کشی کرکے اسپرٹ تیار کرنے کا طریقہ اکتشاف
کیا، اور اسی کی طرف گندھک اور چونے کا اکتشاف بھی منسوب ہے،

گستاؤلیبان کہتا ہے؛ عربون کے علم کیمیا مین غیر ضروری اجزاء کی آمیزش ہوگئی جیسے
ان کا علم نجوم، علم تنجیم سے مل جل گیا، لیکن یہ اختلاط ان کے عظیم الشان اکتشافات مین مانع نہین
ہوا سلئے کہ یونان کے علوم کیمیا ان لوگون تک جو کچھ پہنچے وہ نہایت قلیل تھے، کیونکہ بہت سے
اہم اجسام مثل اسپرٹ، الحامض النتری، الماء الملکی، ملح امونیاک، نترات الفضۃ، ہرتال، بورد
بایزی لونی) وغیرہ سے یونانی قطعاً نابلد تھے، ان مذکورہ بالا اجسام کے علاوہ عربون نے اور بہت
سے کیمیاوی عملیات اکتشاف کئے، جو لوگ یہ کہتے ہین کہ علم کیمیا کا موجد لاوسیر (LAVEOISIES
ہے، تعجب ہے کہ وہ یہ بھول جاتے ہین کہ عربون کے پاس تقریباً ایک ہزار برس سے بہت سے ایسے
معامل کا پتہ چلتا ہے جس سے برابر اکتشافات ہوتے رہے ہین، اگر وہ اکتشافات پیشتر نہ گذر چکے ہوتے
تو لاوسیر جدید اکتشافات مین کیونکر کامیاب ہو سکتا تھا،

موسیو لیبان کی طرح اور بہت سے مغربی مؤلفین ہین جو معترف ہین کہ عربون کو اہل مغرب پر یہ خاص
فضیلت حاصل ہے کہ انھون نے، ایسے نہایت اہم اجسام کیمیاوی کا اکتشاف کیا ہے، جو موجودہ
علم کیمیا کی اصل و اساس ہین، انھین اعتراف ہے کہ انھی لوگون نے سب سے پہلی مرتبہ ترکیب عناصر کی

کوشش کی، اور یہی وہ لوگ ہین جنھون نے سب سے پہلی مرتبہ چونا اور بلور وغیرہ بنانے مین کامیاب ہوئے

غرض عرب علم کیمیا مین دوسری قومون کی بہ نسبت زیادہ وسیع النظر تھے، اور اسی لیے انکو
فن شفا مین دوسری قومون پر تفوق حاصل ہے، ہمین سخت افسوس ہے کہ ان کی تصانیف کا زیادہ
ذخیرہ ہمارے ہاتھون سے ضائع ہوگیا، تاہم ان کے علم کے اعتراف کے لیے یہی کیا کم ہے کہ
انھون نے بہت سی ایسی دوائیان دریافت کی ہین جن سے ان کے پیشرو قطعاً نابلد تھے، اور ہم نہایت
صاف الفاظ مین اعتراف کرتے ہین کہ انھی نے علم صیدلہ (کمپونڈری) کی بھی بنا ڈالی تھی، اور انھی کو یہ شرف
بھی حاصل ہے کہ دوائیون کی ترکیب کے قواعد وضع کئے،

ساتوین صدی مین سابور بن سہل نے کمپونڈری کی تعلیم کے لیے سب سے پہلا اسکول (دار الصیدلۃ) قائم
کیا، اس زمانہ مین اسی مدرسہ مین کمپونڈری کی تعلیم دیجاتی، پھر دوسرا مدرسہ امین الدولہ متوفی ۵۶۰ھ
نے قائم کیا، پھر ابن سینا والا مدرسہ ہے، اس کے بعد ابن تلمیذ کا مدرسہ ہے، تیرھوین صدی تک لوگ
انھین طریقون پر کاربند رہے اس کے بعد آخر مین ابن رشد کا مدرسہ آتا ہے،

غرض عربون نے کمپونڈری مین بہت سے اصول و قواعد منضبط کئے تھے، جنمین سے شربت
شہد، گوند، تیل، مرہم، خوشبو، اور ڈسٹل واٹر، وغیرہ پر ہم آج تک عمل پیرا ہین.

ان حقائق پر یہ مستزاد ہے کہ عربون ہی نے کیمیا، صناعیہ مین بھی وسعت پیدا کی، عام ازین
کہ بعض لوگون کی جوڑ ائین ہون، لیکن ہم ان کے مختلف فنون مثلاً کان کنی، رنگ سازی، مینا کاری،
صنعت زجاج، اور ان کے فولاد کی صنعت کو کبھی فراموش نہین کر سکتے،

علم النبات

علم نبات جو علم کیمیا کی طرح علم طب کا ایک جزو اعظم ہے، امراض مختلفہ کو زائل کرنے مین بہت
معاون ہوتا ہے، شامی عربون نے علم نبات کے نہایت اہم اجزاء، دریافت کرکے اسے معراج کمال

تک پہنچایا، کیونکہ وہ حکمائے یونان جالینوس وغیرہ کی تصانیف پر اکتفاء کرنے کے بجائے جڑی بوٹیون کی طرف متوجہ ہوئے اور انہی کے ذریعہ تجربے حاصل کرنے لگے، بلکہ وہ تحقیقات کرتے ہوئے حدود شام سے گذر کر یونان، مصر، اور دوسرے ملکون مین پہنچ گئے، اور ہر جگہ سے کثیر معلومات حاصل کرکے حدود شام مین واپس آئے، اور واپسی کے بعد مشاہدہ کے ذریعہ اس علم کے تجربے حاصل کرنے کیلئے نباتات کے باغ لگائے گئے، جنمین ہر قسم کے نبات جمع کئے گئے، اور وہ خود ان نبات کی خاص نگرانی کرتے اور ان کے خواص و تاثیر وغیرہ دریافت کرتے اور پھر انھین اپنے کام مین لاتے تھے،

اب ہم ذیل مین ان لوگون کے چند نام درج کرتے ہین جنکی اس فن پر بیش بہا کتابین لاطینی زبان مین ترجمہ ہوئین اور یورپ مین مدت ہائے دراز تک صرف وہی کتابین طبی سرمایہ سمجھی جاتی رہین، تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے اصطفن بن باسیل کا نام آتا ہے، پھر راہب نیقولا دمشقی، پھر ابن بیطار ہے، اور یہی ابن بیطار سب سے زیادہ شہرۂ آفاق حیثیت رکھتا ہے، اس کی ایک ایسی تصنیف ہے جو بہت زمانہ تک یورپین طلبہ کا مرجع رہ چکی ہے، اور اس کے نسخے آئندہ بھی ہمارے پاس ہمیشہ موجود رہین گے، اور اس وقت بھی گیٹ، لیڈن، لندن، اکسفورڈ اور پیرس مین محفوظ ہین، اسکی ایک اور بلند پایہ کتاب جامع مفردات الادویہ والاغذیہ ہے جو لاطینی مین Medicamentorum et ciborum continens کے نام سے منتقل کیگئی، اور ۱۸۷۷ء مین فرانسیسی زبان مین Traité des Simples کے نام سے اس کا ترجمہ ہوا، اور اس کے بعد ۱۸۸۰ء مین جرمنی زبان مین منتقل ہوئی، لکلرک (Leclerc) ابن بیطار کی تصنیف کے متعلق کہتا ہے "دیوسقوریدس کے عہد سے یورپ کی بیداری تک" جامع مفردات الادویہ والاغذیہ" کے مثل کوئی کتاب نہین پائی گئی،

اس کے بعد موسیٰ الدمشقی الصغیر (Bruzaue le jeune) ہے، اس کی ایک کتاب

"عقاقیر طبیہ" ہے جس کا لاطینی مین ترجمہ کیا جا چکا ہے، اس کتاب کے فخر کے لیے یہ کافی ہے کہ صرف سولہوین صدی مین چھبیس (۲۶) مرتبہ اسکی طباعت ہوئی، لاطینی کے ترجمہ مین اس کا نام (Desimplicibus) رکھا گیا ہے، اور درحقیقت آج ہم جسے مادہ طبیہ (Materia medica) سے تعبیر کرتے ہین، اس کا اساس یہی تصنیف ہے،

پھر رشید الدین الصوری کا تذکرہ کرنا ہے، جو "کتاب الادویہ" کا مصنف ہے، یہ اپنے علمی سفرون مین جو اکثر شام و لبنان مین ہوتے تھے کسی بہترین مصور کو اپنے ساتھ رکھتا تھا جو نہایت توجہ اور دقت نظر سے ان پودون کی تصویرین کھینچتا جنکی جستجو مین وہ نکلتا تھا، یا وہ جنھین اپنے سفر مین اکتشاف کرتا تھا،

اور سب سے آخر مین ہم ابو زکریا اشبیلی کا تذکرہ کرین گے، جس نے اس فن مین نہایت نایاب اور بیش بہا کتاب چھوڑی ہے، جس سے مختلف پودون کی تاثیر اور ان کے لگانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے،

ہم نے ماہرین سے ریوند، جوز بوا، خوشبویات، کافور، اور شعیر ہندی وغیرہ کے استعمال کا طریقہ سیکھا، ان چیزون کے علاوہ اور بھی چیزین ہین جنکا تذکرہ طویل ہے،

شفاخانے،

اُس قدیم زمانہ مین بھی طب کے نظری وعلمی اسباق شفاخانون مین پڑھائے جاتے تھے، اور آج ہی کی طرح ان شفاخانون سے ایک طرف مریض فائدہ اُٹھاتے تھے اور دوسری طرف وہی شفاخانے علم طب کے طلبہ کے مدرسے بھی ہوتے تھے، بلکہ اُس زمانہ کے طلبہ ضخیم کتابون پر زیادہ اعتماد کرنے کے بجائے مریضون کے بسترون سے تحصیل علم کرتے تھے، لیکن یورپ کے سامنے نقش قدم موجود ہونے کے باوجود وہ سولہوین صدی تک اپنے طلبہ کو اس طریقہ پر تعلیم نہ دیسکا،

عربون کے تعمیر کردہ شفاخانون مین متعدد منزلین ہوتی تھین اور ہر منزل مین ہر فن کی جداگانہ تعلیم دیجاتی تھی، چنانچہ نور الدین نے دمشق مین جو ہسپتال قائم کیا تھا وہ ایک سال مین دس لاکھ

درہم مین تیار ہوا تھا، اور اس کے سالانہ اخراجات تقریباً پچاس ہزار مصری پونڈ تھے، یہ ہسپتال صرف
غربا کے لیے مخصوص نہ تھا، بلکہ اس مین ہر قسم کا انتظام موجود تھا، جس سے ہر طبقہ کے لوگ فائدہ اُٹھاتے
تھے، اور خصوصاً عورتون کے علاج کا ایک علحدہ انتظام قائم تھا، اُسمین متعدد کمرے مختلف مصرف کے لیے
بنائے گئے تھے، کسی مین صرف بخار کے مریض رہتے، چند کمرے آپریشن کے لیے مخصوص تھے، کسی مین
آنکھون کا علاج کیا جاتا تھا، اسی طرح اور دوسری بیماریون کے لیے متعدد کمرے علیحدہ تعمیر کئے گئے
تھے، علاوہ ازین چند کمرے تعلیم کے لیے مخصوص تھے، چند کمرون مین کمپونڈری کی تعلیم دیجاتی تھی،
اور چند کمرے صرف ڈسپنسنگ روم (مخزن ادویہ) کے طور پر کام مین آتے تھے، اسی طرح نسخے لکھنے
کے لیے چند کمرے مخصوص تھے جن مین وہ مریض اگر نسخے لیجاتے جو اسپتال مین داخل نہیں ہوتے
تھے، اطبا کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے جنمین وہ اپنے معین اوقات مین مطب کرتے تھے، متعدد
حمام علیحدہ قائم تھے اور مریضون کو عافیت پہنچانے کے لیے بہترین انتظام کے ساتھ باورچی خانہ بھی قائم تھا،
اسی طرح اُس زمانہ مین پاگلون کے لیے بھی علیحدہ ہسپتال کھولے گئے تھے، اور جن مقامات
پر ہسپتال موجود نہ ہوتے اور نہ وہان کسی بنا پر اس کا قیام ممکن ہوتا تو ایسے مقامات پر اطبا، علاج
و معالجہ کے کافی سامان کے ساتھ بھیجے جاتے تھے، جس طرح آج مصر وغیرہ مین سفری ہسپتال ہین،
سب سے پہلا شفاخانہ ساتوین صدی مین "شفاخانہ بنی اقیم" کے نام سے دمشق مین قائم ہوا، پھر
منصور خلیفہ عباسی نے بغداد مین ایک شفاخانہ قائم کیا، جس مین اندھون کے علاج کا سامان بھی تھا،
اس کے بعد ہارون رشید نے ایک عظیم الشان شفاخانہ طبی تعلیم کے مصالح پیش نظر رکھ کر قائم کیا، اور
پھر اس کے لڑکے مامون نے ایک طبی اکاڈمی قائم کی اور کثیر رقم علمی کتابون کی خریداری اور
ان کے ترجمون کے لیے وقف کردی، اس کے بعد شفاخانون کی تعداد مین یوماً فیوماً اضافہ
ہوتا گیا، یہانتک کہ وہ رفتہ رفتہ شام کے اکثر شہرون مین پھیل گئے، اور حقیقت یہ ہے

کہ اس زمانہ کے شفاخانے موجودہ ہسپتالون سے آرام و راحت اور صحت کے لحاظ سے بہت بہتر
ہوتے تھے، کیونکہ ان کی تعمیر اور موقع عمارت مین بہ نسبت آجکل کے اس زمانہ مین اصول
حفظان صحت کا بہت زیادہ لحاظ رکھا جاتا تھا، کیونکہ عربون کے نزدیک اصول حفظان صحت
کو نہایت اہمیت حاصل تھی، ان کے بہت سے معالجے دوائیون کے بجائے اصول حفظان صحت ہی پر مبنی تھے
وہ تبدیل آب و ہوا کے اثرات سے واقف تھے اور خصوصاً اُن امراض کے لیے جو خون خشک کر دیتے
ہین، یا انسان کو لاغر بنا دیتے ہین، تبدیل آب و ہوا ضروری سمجھتے تھے، اور آج جو ہمارا
طرز عمل ہے وہ اسی طرح اپنے مریضون کو موسم اور دیگر حالات کے تناسب سے کبھی گرم ملکون مین
کبھی پہاڑون پر اور کبھی دریا کے ساحلون پر بھیجتے تھے، کیونکہ انھین وثوق کامل تھا کہ بعض امراض
مین طب کے وسیع تجربے بیکار رہتے ہین اور صرف اصول حفظان صحت ہی کام آتے ہین،
اسی طرح عربون کے وسیع علم طب کی ایک شاخ "طب الاسنان" یعنی دانتون کا علاج
ہے، وہ دانتون مین کیڑے پڑجانے اور ان کے خراب ہوجانے کی صورت مین دانتون
کو گرم لوہون سے داغتے تھے، اسی طرح خراب دانتون کے سوراخ مین خاص آلات کے
ذریعہ گرم تیل ڈالتے تھے، ضرورت کے وقت اپنے آلات کے ذریعہ دانتون پر سونے اور چاندی
کے پتھر منڈھتے تھے اور دانتون کے ٹوٹ جانے کی صورت مین اپنے آلات سے سونے اور
تارون کے ذریعہ جانورون کی ہڈی اور ہاتھی دانت وغیرہ جڑ دیتے تھے، اسی طرح اگر انھین
کوئی دانت اکھاڑنا مقصود ہوتا تو اپنے آلات سے نہایت آسانی کے ساتھ اکھیڑ دیتے تھے،
اور دانتون کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے انھون نے جو آلات وضع کیے تھے وہی آج یورپ
کے موجودہ فن طب مین بھی خفیف تغیر کے ساتھ مستعمل ہین۔

طب ابدان

علم طب نے عباسیون کے دور حکومت مین نمایان ترقی کی چنانچہ مشہور رئیس الحکما بختیشوع نسطوری نے جو خلیفہ عباسی منصور کا طبیب خاص تھا، فارسی اور یونانی زبانون سے طب کی مشہور کتابون کو عربی زبان مین منتقل کیا، پھر اس کے لڑکے جبرئیل نے جو ہارون رشید کا طبیب خاص تھا عربی مین متعدد کتابین لکھین، بختیشوع کو یہ خاص فضیلت حاصل ہے کہ اس کے خاندان مین نسلاً بعد نسل تین ایسے اطبا گذرے جو خلفائے عباسیہ کے طبیب خاص ہونے کے ساتھ رئیس الاطبا یا دوسرے لفظون مین "انسپکٹر جنرل یا چیف مڈیکل افسر" کے عہدے پر مامور ہوئے انہی کی نگرانی مین حکومت کے تمام ہسپتال تھے اور وہی مدارس طبیہ یا "مڈیکل کالجون" کے افسر اعلیٰ بھی ہوتے تھے، اس خاندان کا آخری طبیب جو اس عہدہ پر سرفراز رہا، جبرئیل بن عبیداللہ ہے اسے تمام اطبا عصر کے درمیان خاص وقعت حاصل تھی، اس کے متعلق ڈاکٹر براؤن (Brown) کا مقولہ ہے "وہ ان مین سب سے زیادہ مشہور ہے" اس کا ۱۰ اپریل ۱۰۰۶ء مین انتقال ہوا،

اسی طرح عہد عباسیہ کے یوحنا بن ماسویہ (Mesue) کو فراموش نہ کرنا چاہیئے جو مامون کا طبیب خاص تھا، اس نے علم طب، حفظان صحت، مریضون کو طاقت پہنچانے اور معدہ کی بیماریون وغیرہ پر نہایت نایاب کتابین لکھی ہین،

عہد عباسیہ مین تحصیل طب کے لیے متعدد قواعد منضبط کئے گیے تھے، آج اس دور ترقی مین یہ سنکر محو حیرت نہ ہونا چاہیئے کہ عہد عباسیہ جیسے قدیم زمانہ مین کوئی شخص طبابت کا پیشہ اس وقت تک اختیار نہین کر سکتا تھا جب تک اس نے طب کا باقاعدہ امتحان دیکر سارٹیفکٹ نہ حاصل

کر لیا ہو، اور یہی قانون کمپونڈری کے پیشہ کیلئے بھی رائج تھا،

اسی طرح اس زمانہ مین مختلف امراض کے مختلف ماہرین ہوتے تھے، مثلاً کوئی امراض باطنیہ کے علاج مین ماہر (Specialist) شمار کیا جاتا تھا، کسی کو اپریشن کرنے مین کمال ہوتا کوئی آنکھون کے علاج کے لیے مخصوص ہوتا، کسی کا خاص فن طب الاسنان یعنی "دانتون کا علاج" ہوتا، اور کوئی اعصاب کے علاج مین شہرت رکھتا تھا، جس طرح آج مختلف امراض کے مختلف ماہر شمار کیے جاتے ہین،

ان ماہرین مین سے چند مشہور اطبا یہ ہین: قسطنطین بن لوقا بعلبکی: یہ مشہور فلسفی، فلکیات دان، ریاضی دان، اور ممتاز طبیب تھا، اس کی ان تمام علوم مین نایاب تصانیف ہین، اصطفن حرانی: ابن بختیشوع نے اپنی کتابون مین اسے لائق طبیب شمار کیا ہے، تمیمی بیت المقدسی: اس کو فن معالجۂ امراض (Therapeutique) مین خاص درک حاصل تھا، ثابت بن قرہ: امراض قلب کے معالجہ مین ممتاز تھا اس نے قلب کے حرکات پر ایک نایاب کتاب لکھی ہے، اس تصنیف سے یورپ نے کافی استفادہ کیا ہے، ثابت بن ابراہیم زہران حرانی: دسوین صدی کے اوائل مین گذرا ہے، اسے تشخیص امراض مین ید طولیٰ حاصل تھا، بسا اوقات اس کے معاصرین اسکی تشخیص سے محو حیرت رہ جاتے تھے ابو الحسن ہبۃ اللہ بن سعد: المقتفی لامر اللہ کے زمانہ مین گذرا ہے، اس کو اپنے عہد مین بڑی شہرت حاصل ہوئی، اس کے معاصرین اسے جالینوس اور بقراط سے تشبیہ دیتے تھے، ابو الفرج غریغوریوس: فلسفی طبیب تھا، ۱۲۸۶ء مین ساٹھ برس کی عمر مین وفات پائی، ۱۶۶۲ء مین پاکوک (Pocock) نے اسکی کتابون کو لاطینی زبان مین ترجمہ کر کے شائع کیا، ڈاکٹر رائٹ (Wright) اس کا بجد معترف ہے، ۱۸۹۴ء مین اس نے اپنی ایک کتاب مین نہایت شاندار الفاظ مین ابو الفرج

کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ابن سینا ہے، جسے یورپ Avicennes کے نام سے
جانتا ہے اس کی [illegible] میں ولادت اور [illegible] میں وفات ہوئی، بغداد یونیورسٹی میں تعلیم پائی
تھی، طبیب حاذق تھا، اسکی کتابیں دنیا کی اکثر زبانوں میں منتقل ہو چکی ہیں، تقریباً چھ سو برس
تک اسی کی کتابوں پر علم طب کا دار و مدار تھا، فرانس اور اٹلی کی یونیورسٹیوں اور خصوصاً سالرنو
کے مشہور مدرسہ کے نصاب میں اسکی کتابیں داخل تھیں، اسکی ایک نہایت اہم تصنیف "القانون"
ہے، یہ مصر، ایشیا اور اسپین کی متعدد یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل تھی، اور یورپ میں
اٹھارہویں صدی تک اسکی طباعت ہوتی رہی، اور ابھی ایک صدی پیشتر فرانس کے مونبلیہ کالج میں
اس کے مباحث پر اکثر مذاکرے ہوتے رہتے تھے،

ان اطبائے شام نے مختلف امراض کے جو علاج تجویز کئے تھے ان میں سے بعض امراض پر متعدد صدیاں گذرنے کے
بعد موجودہ زمانہ میں پھر عمل ہونے لگا ہے، مثلاً ٹائیفائڈ بخار میں ٹھنڈے پانی کے استعمال کو
لیجئے، اس طریقۂ علاج کی طرف آج سے نو سو برس پیشتر ابو نصر بن بشر افسر اعلیٰ شفاخانہ
امراض عصبیہ، اشارہ کر چکا ہے، وہ بتا چکا ہے کہ ایسے موقعوں پر ٹھنڈے پانی اور سُن کر
دینے والی چیزوں کو استعمال کرنا چاہیئے، اسی طرح آج موجودہ ڈاکٹروں میں کون ایسا ہے
جو اپنے اوپر اس وقت نازاں نہ ہو جب وہ اس علاج کا موجد قرار پائے جسے ابوبکر رازی
(Rhazes) نے چیچک اور پتھری کی بیماریوں میں تجویز کیا ہے، اسی طرح کون ڈاکٹر ہے
جو بجا طور پر اس وقت فخر نہ کرے جب وہ ایسی کتابوں کا مصنف تسلیم کیا جائے جو تاریخ طبعی کے
مشہور ماہر دمیری صاحب "حیاۃ الحیوان" کی تصانیف ہیں، اس کی کتابوں میں آج سے کئی
صدی پیشتر اس علاج کا تذکرہ موجود ہے جسے ہم آج Opotherapie
کہتے ہیں، جس میں کسی عضو فاسد کا علاج اسی کے مثل عضو سلیم کو کھلا کر کیا جاتا ہے، براؤن سیکارڈ

(Brown Sequard) نے نصف صدی پیشتر اس طریقۂ علاج کو دنیا کے سامنے
پیش کیا اسلئے وہ اس زمانہ میں اس طریقۂ علاج کا موجد سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بلادِ شام میں ہمیشہ
سے یہ طریقۂ علاج جاری ہے اور اس وقت بھی وہاں کے باشندوں میں یہ اصول عام طریقہ سے
رائج ہے کہ وہ جگر اور گردوں کے خراب ہو جانے کی صورت میں تندرست جانوروں کے جگر
اور گردے کھاتے ہیں، اسی طرح موجودہ زمانہ کا طریقۂ جراحت (اپریشن) بھی اکثر چیزوں میں
ابھی عربوں کا مرہون منت ہے، چنانچہ ابھی بہت قریب زمانہ تک عربوں کی کتابیں یورپ
کے میڈیکل اسکولوں میں اساس تعلیم تھیں، ارباب علم سے پوشیدہ نہیں کہ عرب گیارہویں صدی
عیسوی میں آنکھوں میں زرد پانی اتر آنے کا جسے Cataracte کہتے ہیں، علاج عدسۃ العین
کو نیچے اتارنے یا اسے زائل کر دینے کے ذریعہ کرتے تھے، اسی طرح مثانہ کی پتھریوں اور شرائین
سے منہ کھل کر خون بہنے کا علاج ٹھنڈے پانی سے کرتے تھے، آگ سے داغنے اور فصد دینے
وغیرہ کے طریقے انھیں کے ایجاد کردہ ہیں، اور یہ تمام طریقۂ علاج یورپ کے موجودہ فن طب میں
رائج ہیں، وہ لوگ خراج صناعی سے بھی واقف تھے — جس پر آج ٹائیفائڈ بخار میں عمل ہونے
لگا ہے۔ وہ لوگ بھی مریضوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے بیہوش کرتے تھے، جسے آج جدید انکشاف
تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ معلوم ہے کہ ان کے یہاں سخت آپریشن کے موقعوں پر زدانہ استعمال
کیا جاتا تھا، جس سے حواس مفقود ہو جاتے تھے اور اس طرح مریض کو سکون حاصل ہوتا تھا،

غرض شام کے علماء (حکماء) کے انکشافات کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگرچہ اس کا بھی اعتراف ہے
کہ انھوں نے ان یونانی کتابوں سے کافی طور پر استفادہ کیا جن کے ترجمے عربی میں کئے گئے تھے، بلکہ
انھوں نے خود بھی دنیا کے سامنے یونانی کتابوں کی فہرست علیحدہ طور پر پیش کی تاکہ ان کی کتابیں
یونانی کتابوں میں مل جل نہ جائیں، لیکن اس کے ساتھ اسے نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ انھوں نے

ان کتابون سے استفادہ کرنے کے ساتھ ان کی غلطیون کی تصحیح بھی کی ہے اور ان کے علاوہ علم طب مین بہت سے قابل قدر اکتشافات جدیدہ کا اضافہ کرکے اسے معراج کمال تک پہنچا دیا،

مسلمانون نے علم طب کو جو ترقیان دین یہ انکی ایک محدود تاریخ ہے جو صرف ملک شام سے تعلق رکھتی ہے، لیکن خود مسلمانون کا تمدن کوئی محدود تمدن تھا بلکہ وہ شام کے علاوہ ایران، مصر، اندلس اور ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا، اور ہر جگہ علوم وفنون کو ترقی دے رہا تھا ممکن ہے کہ بعض علوم کو کسی خاص ملک یا خاص سرزمین سے مخصوص تعلق ہو، لیکن فن طب ایک ایسا علم تھا جسکی ضرورت ہر ملک اور ہر سرزمین کو تھی اس لیے اس نے تمام اسلامی ممالک مین یکسان طور پر ترقی کی اور اس مضمون مین طبی ترقی کے جو مظاہر نمایان کئے گئے مین تمام اسلامی ملکون مین اسی قسم کے مظاہر نمایان ہوئے، افسوس ہے کہ اردو مین اب تک علم طب کی کوئی مفصل تاریخ مرتب نہین گئی جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی، لیکن کم از کم اس مضمون سے اتنا تو ضرور قیاس کیا جاسکتا ہو کہ جب صرف شام مین علم طب نے اس قدر ترقی کی تھی تو اور دوسری اسلامی ممالک کی طبی ترقیون کا کیا حال ہوگا،

(مترجم)

جمیس کا نظریۂ جذبات،

(۴)

از مولوی معتقد ولی الرحمن صاحب ایم اے پروفیسر جامعۂ عثمانیہ

اعتراض سوم:۔ جذبہ کے ظاہر ہونے سے بجائے اس کے کہ یہ جذبہ شدید ہوجائے، ختم ہوجاتا ہے، چنانچہ بہت زیادہ خفا ہونے، اور بگڑنے کے بعد غصہ رفوچکر ہوجاتا ہے، اور اگر اس کو دبا لیا جائے تو دیوانگی کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے،

جواب:۔ یہ اعتراض جذبے کے ظاہر ہونے اور اس کے بعد کے احساسات مین امتیاز نہین کرتا، ظہور کے دوران مین جذبہ ہمیشہ محسوس ہوتا ہے، اور زیادہ فعلیت کی وجہ سے اس کے عصبی مراکز تھک کر فعل کے قابل نہین رہتے، ان کی فعلیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی، جذبہ کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے، لیکن اگر ہم غم کے باعث کے ہوتے ہوئے آنسوؤن کو روک لین، تو جذبہ کا تموج کسی اور راستے مین منتقل ہوجاتا ہے اور بہت مہلک نتائج پیدا کرتا ہے، کینہ توزی، خباثت نفس، شرارت باطن وغیرہ، سب اسی امتناع کا نتیجہ ہوتے ہین. لہذا جذبہ کے ظاہر ہوجانے سے اس کا خاتمہ ہوجاتا اور اس کے روکنے سے دیوانگی کا پیدا ہونا بالکل طبعی ہے[1]،

یہان تک ہمنے جمیس کے نظریہ، اور اس کی تائیدی شہادتون اور دلائل، کو خود اسی کے الفاظ مین بیان کیا ہے لیکن کوئی دعوی اس وقت تک مسلم نہین ہوتا، جب تک کہ معترضین کے اعتراضات

[1] جمیس صفحہ ۴۶۶،

اور مخالفین کے مخالفانہ حملون کا مقابلہ نہ کر سکے، اگر یہ ان کے سامنے قائم نہین رہ سکتا، تو مٹ جاتے ہی سے اپنی خامیون کا اعتراف کرلیتا ہے، اور اگر وہ ان کے مقابلہ مین کامیاب ثابت ہوتا ہے تو ہر حملہ کا دندان شکن جواب دیتا ہے، تو اسکی یہ فتح ہی اس کا ثبوت بنجاتی ہے، جیمس نے اپنے دعوی کو نہایت زور شور سے پیش کیا، اسکی موافقت مین مختلف دلائل نہایت شد و مد کے ساتھ بیان کئے، اور اس کی تائید مین مختلف اشخاص کی شہادتین نہایت یقین و اطمینان کے ساتھ پیش کین، لیکن ابھی اس کو معاندین و معارضین کی جماعت کا مقابلہ کرنا تھا، اس مین اس کی آخری اور کلی فتح ہونے والی تھی، اس تمام مناقشت مین جیمس نے اپنے ہمدرد بھی پیدا کرلیے تھے، لہذا اگر اس کے مقابلے مین ایک جماعت تھی تو وہ بھی اکیلا نہ تھا، جیمس اور اس کے رفقار کو لازمی طور پر مدافعانہ طرز عمل اختیار کرنا پڑا، انھون نے بعض حملون کا تو کامیابی سے جواب دیا، لیکن بعض کے مقابلے مین ان کے قدم نہ جم سکے، اسی وجہ سے اگر اس کے مخالفین نے اس نظریہ کی صحت مین شبہہ کیا، لیکن جیمس کی جدت فکر اور ندرت تخیل کے سب قائل ہین،

یہ نظریہ سرسری طور پر بہت مستبعد نظر آتا ہے، اور جس طریقے سے، اور جن الفاظ مین، اس کو بیان کیا گیا اس سے اس کے استبعاد مین اور اضافہ ہوگیا، تنقیدون کی بوچھار اور اعتراضون کی بارش نے جیمس کو مجبور کیا کہ اپنے مفہوم اور عندیہ کو واضح طور پر بیان کرے، اس وقت اس نظریہ کے دو مختلف مفہوم لیے جاتے ہین، ایک کے مطابق جبلت کے عضوی اختلالات کا شعور جذبہ کا لازمی اور ضروری جزو ہے، اس بنا پر اس مین اور شعور کی اور غیر جذبی حالتون مین امتیاز ممکن ہے، ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جذبہ مین سوائے ان عضوی اختلالات کے جو جبلت مین پیدا ہوتے ہین، اور کچھ نہین، گو یہ دونون ایک دوسرے کے بالکل ہم معنی ہین، ہم اس نظریہ کو اس وقت تک قبول یا رد نہین کر سکتے، جب تک کہ یہ فیصلہ نہ کرلین کہ خود جیمس کے نزدیک ان دونون دلالتون مین سے کون سی صحیح ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس پر تمام اعتراضات ایک حد تک اسی ابہام معنی کا نتیجہ ہین، جیمس کے اس فقرے سے

"واقعۂ مہیج کا ادراک براہ راست جسمانی تغیرات پیدا کرتا ہے، اور ان تغیرات کا، بحالت وقوع احساس، جذبہ ہے"

بادی النظر مین معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن مین مذکورۂ بالا مفاہیم مین سے دوسرا مفہوم ہے لیکن یہ خیال غلط ہے، اس نظریہ کی اشاعت کے پورے دس برس بعد ۱۸۹۴ء مین، خود جیمس نے "جذبہ کی جسمانی بنا" کے عنوان سے سائیکولوجیکل ریویو مین ایک مضمون لکھا اور اس مین صاف طور پر بتایا کہ وہ پہلے مفہوم کو صحیح سمجھتا ہے، یعنی یہ کہ اس کے نزدیک عضوی تغیرات کا احساس و شعور جذبہ کا مترادف نہین، بلکہ اس کا لازمی جزو ہے، اس کے علاوہ جیمس کا یہ قول بھی کہ:-

"اگر عضوی اضطرابات شامل نہ ہون، تو ہمارا ادراک بالکل سرد اور غیر جذبی ہو جاتا ہے"

اسی دلالت کی طرف اشارہ کرتا ہے[1]، لیکن دوسری دقت اس دلالت کو صحیح تسلیم کرنے مین اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب جیمس "بلا معروض" جذبے کا ذکر کرتا، اور اس کے امکان وقوع کی شہادتین پیش کرتا ہے، اگر جیمس اس کو ممکن الوقوع مانتا ہے، تو پھر کوئی شبہہ نہین رہنا چاہیے، کہ وہ ان عضوی اختلالات کے احساس کو جذبہ کا ہم معنی سمجھتا ہے[2]، غرض جیمس کے بیانات اس قدر مبہم اور متناقض ہین کہ کسی بات کا فیصلہ کرنا دشوار ہے، لیکن خوش قسمتی سے یہ واضح ہے، کہ اس نظریہ کے مطابق دو جذبات مین عضوی تغیرات کی بنا پر فرق نہین کر سکتے، نہ یہ کسی طرح بھی اس

[1] اصلیت یہ ہے کہ سائیکولوجیکل ریویو کے مذکورہ مضمون مین جیمس نے مختلف تنقیدون کا جواب دیتے ہوئے اپنے اصلی عقاید مین بہت کچھ رد و بدل کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس مضمون مین ایسی ایسی باتون کو تسلیم کر گیا ہے جو اس کے اصلی خیالات کے منافی ہین (ملاحظہ ہو ڈاکٹر وارڈ کی کتاب (Psychological Principals صفحہ ۲۰۰) بالڈون بھی وارڈ کی

[2] رائے سے متفق ہے (ستان وارڈ صفحہ ۲۰۲)

نظریہ سے لازم آتا ہے، البتہ ہم اس کی مدد سے یہ کر سکتے ہین کہ شعور کی جذبی اور غیر جذبی حالت مین امتیاز کرلین؛ ان توضیحات کے بعد اب ہم نہایت آسانی کیساتھ اس کو تنقیدی روشنی مین دیکھ سکتے ہین،

جمیس کا خیال تھا کہ:-

"اس نظریہ کو ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو بے حس ہو، لیکن مفلوج نہ ہو، یعنی جو جذبات کے ہیج کی موجودگی مین حرکات کرسکتا ہو، اس سے سوال کیا جاوے کہ وہ جذبی تاثر محسوس کرتا ہے، یا نہین[1]"

وہ خود تو اس قسم کے ثبوت سے بالکل مایوس تھا، خود اس نے سٹرمپیل کے ایک مریض کا حال نقل کیا ہے، جو ایک آنکھ اور ایک کان کے سوا بالکل بے حس تھا، لیکن اس مین شرم، غم، حیرت، خوف اور غصے کے جذبات پائے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ شہادت نظریۂ زیر بحث کے خلاف ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ جمیس نے اس کو قابل اعتنا نہ سمجھا، اور اسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہ کی لیکن جس بات کو جمیس ناممکن سمجھے ہوئے تھا، اس کو انگلستان کے ایک ماہرِ عضویات شیر نگٹن نے ممکن کر دیا، اور جس بات پر اس کو بہت بھروسا تھا، وہی اس کے نظریئے کے لیے سم قاتل ثابت ہوئی، جمیس کے انتقال کے دس سال قبل ۱۹۰۰ء مین شیر نگٹن نے "جذبہ کی تحقیق مین دماغی اور حشوی عناصر کی اہمیت پر اختبارات" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا[2]، اس کے چھ سال بعد یعنی جمیس کے انتقال کے صرف چار سال قبل، اس کی کتاب نظام عصبی کا فعل تکمیلی[3] نیویارک سے شائع ہوئی، مقدم الذکر مضمون تو خصوصیت کے ساتھ جمیس کے خلاف تھا، اس مین اس نے دکھایا کہ اختبارات سے ہم بآسانی معلوم کر سکتے ہین

[1] جمیس صفحہ ۴۵۶، [2] ملاحظہ ہو Proceedings of The Royal society جلد ۶۶، [3] Intergative action of The Nervous System.

کہ جذبات کی تخلیق مین دماغی اور حشوی عناصر کو دخل نہین، کیونکہ ان عناصر کی قطع و برید کے بعد بھی جذبات باقی رہتے ہین، پھر اسی بحث کو اس نے اپنی کتاب مین شامل کیا، شیر نگٹن کا یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ اس سے جمیس کا نظریہ اگر مردہ نہین ہوا، تو نیم جان ضرور ہوگیا، جمیس کے ہمدردون نے اس مین دوبارہ روح پھونکنے کی کوشش کی، لیکن وہ جان اور زور پیدا نہ کر سکے،

یہ تمام اختبارات کتون پر کیے گئے تھے، عمل جراحی کے ذریعہ سے ان کے اعصاب کو کاٹ چھانٹ کر، احشا، اور کندھے کے پیچھے کی تمام جلد، اور عضلات کے تمام احساسات کو ردک دیا گیا تھا، اسی عمل مین جسم کے دوران خون کے آلات اور شعور کے روابط کو بھی توڑ دیا گیا تھا، یہ عمل بہت سے کتون پر کیا گیا اور ازان بعد ان کی حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کیا گیا، ایک کتیا خاص طور پر شیر نگٹن کے زیر مطالعہ رہا، کیونکہ اس کے مزاج مین جذبی عنصر بہت غالب تھا، اس کے مشاہدات شاہد ہین، کہ اگرچہ، عمل جراحی کی وجہ سے، اس کتے کے احساسات کے تمام راستون کو قطع کر دیا تھا، لیکن اس سے اس کے جذبات پر کوئی اثر نہ ہوا، اس کا غصہ اس کی خوشی، اس کی نفرت اور اس کا خوف علی حالہ قائم رہا، اپنے رکھوالے کو آتے دیکھکر وہ بدستور سابق خوشی ظاہر کرتا، بلی کو قریب آتا دیکھکر اس پر غصہ کی علامات پیدا ہوتین، ان جذبات کی کیفیت یا کمیت کسی مین بھی کوئی تغیر نہ ہوا، زیادہ عجیب بات یہ ہے، کہ چند ماہ قبل یہ کتا ایک مہمان کو دیکھکر سخت غضبناک ہوا تھا، اور اب پھر اس کو دیکھ کر اس نے اسی غصہ کا اظہار کیا، یہ تمام باتین صاف ظاہر کرتی ہین کہ یہ کتا اس عمل جراحی کے بعد بھی مغلوب الغضب ہو سکتا تھا،

کوئی کتا کسی حالت مین بھی کتے کا گوشت بطور خوراک قبول نہین کرتا، بلکہ وہ اس کو کراہیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، شیر نگٹن اپنے کتون کو بالعموم گھوڑے، یا گائے کا گوشت دودھ مین بھگو کر دیا کرتا تھا، اور یہی ان کا من بھاتا کھاجا تھا، ایک مرتبہ اس نے اس خاص کتے کو

کتے کا گوشت دیا، نتیجہ حسب ذیل تھا:-

"نوکر نے جب حسب دستور اس کا پیالہ ایک کونے مین رکھا، اور اس مین دودھ ڈالکر کتے کا گوشت بھگو دیا، یہ کتا بہت رغبت کے ساتھ اس کی طرف بڑھا، اور اپنی تھوتھنی کو دودھ مین ڈالتے ہی باہر کھینچ لیا، اس نے گوشت کو منھ مین لینے کی ہمت کی لیکن لیتے لیتے چھوڑ دیا، اور ایک طرف کو ہٹ کر بیٹھ گیا، اس نے دوبارہ اس پیالے کے گوشت کا معائنہ کیا، اور آخر کار جاکر دوسرے کونے مین دبک کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد بڑی کوشش سے وہ پھر پیالے کے پاس آیا، لیکن پھر کراہیت و خواہش کی وہی کشاکش ظاہر ہوئی، اس کے بعد نوکر نے وہ پیالہ ہٹا لیا، اور اس کو اچھی طرح دھوکر گھوڑے کا گوشت دودھ مین بھگویا، اور اس کے سامنے رکھ دیا، اس مرتبہ وہ اس کے پاس آیا، اور چند منٹون ہی مین اس پیالے کو خالی کر دیا"

اس مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کتے کے گوشت سے جو نفرت ہر کتے کو ہوتی ہے، وہ اس منقطع النخاع کتے نے بھی ظاہر کی، یعنی نفرت و کراہیت کا جذبہ اس مین علی حالہ موجود تھا،

اسی طرح ایک اور کتے کے عصب تائہ[1] کو کاٹکر معدے، شش اور دل کو شعور سے بے تعلق کیا گیا، لیکن نتیجہ بھی یہان وہی تھا کہ اس بے تعلقی کی وجہ سے جذبی مظاہر معدوم نہ ہوئے،

ان تمام اختبارات و مشاہدات کے بعد شیرنگٹن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:-

"ہر کیف ان مشاہدات کے بعد تکوین جذبہ کا محرک ادعیہ نظریہ ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے، اور اسی طرح ان کے ہوتے ہوئے یہ بھی تسلیم نہین کیا جاسکتا کہ حشوی احساسات یا احضارات

[1] ایک عصب جو اکثر اندرونی آلات (مثلاً وہ جو نظام تنفس کے غلا مین واقع ہین) کے احساسات کے نقل مقام مین مدد دیتی ہے، یعنی حنجرہ اور آنتون کے عضلات تک ریشہ ہائے موٹر کو لیجاتی ہے، اور اسی کی بدولت دل کی حرکات سست پڑتی ہین،

جذبے کے لیے ضروری ہین، کیونکہ عمل جراحی کے بعد بھی جذبات کتون مین موجود رہتے ہین[1]"

ان اختبارات پر پروفیسر لائڈ مارگن معترض ہے کہ

"تعلق کے راستے اس وقت مسدود کئے گیے، جب حرکی اور حشوی اثرات تخلیق جذبہ مین عمل کر چکے، عمل جراحی کے بعد مین احضاری مواد تو ضرور ناممکن الحصول ہوگیا، لیکن ان کے استحضاری مابعدی اثرات خارج نہ ہوئے[2]"

شیرنگٹن کے پاس اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ زیر مشاہدہ کتون مین سے ایک ایسا ایسا تھا، جس پر صرف نو ہفتے کی عمر مین عمل جراحی کیا گیا تھا، لہذا یہ فرض نہین کیا جاسکتا کہ کتے کے گوشت سے نفرت و کراہت اس چھوٹی سی عمر کے تجربون کا نتیجہ ہوسکتی ہے،

اس اعتراض کی جواب دہی کے بعد شیرنگٹن پر ایک حملہ اور ہوا، جو گذشتہ حملہ سے کہین زیادہ سخت تھا، لائڈ مارگن کے اعتراض کی تردید تو اختبارات کی نوعیت مین تغیر و تبدل کرنے سے ممکن تھی، لیکن اعتراض اس قسم کا تھا، جس کو اختبارات سے کوئی تعلق نہ تھا، اس کا جواب اگر ہوسکتا تھا، تو صرف اس طرح کہ اس کتے کے مطالعۂ باطن کے نتائج طلب کئے جاتے، اور ان کی بنا پر اس کی تردید کیجاتی، لیکن مطالعۂ باطن مین پہلے اور بہت سے نقص ہین، وہان ایک یہ بھی کہ حیوانات کے لیے یہ بالکل بے کار ہے، کیونکہ اول تو نہین کہہ سکتے کہ اس مین اسکی قابلیت ہوتی ہے، اور اگر یہ فرض بھی کرلین، تو یہ یقینی ہے، کہ نطق سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مطالعۂ باطن کے نتائج

[1] "نظام عصبی کا فعل تکمیلی" صفحہ ۲۵۹-۲۶۶، [2] پروفیسر اینجل نے بھی یہی اعتراض کیا ہے، وہ لکھتا ہے "بعض حیوانات پر اس طرح عمل کیا گیا ہے، کہ حشوی حصہ کے عضوی ہیجات کے قشر تک پہنچنے کے راستے قطع کر دیے گئے ہین، لیکن اس کے بعد بھی جذبات باقی رہے، جو نظریہ جیمس کے بعد نہ ہونے چاہئین تھے، ... قلت گنجائش کی وجہ سے اس پر مفصل بحث تو ممکن نہین لیکن مصنف کی رائے مین ان معترضین نے بعض اہم باتون کو نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً انھون نے حافظہ کے ممکن اثرات کو بالکل بھلا دیا..." (النفسیات صفحہ ۱۰۳ حاشیہ)

کے اظہار پر قادر نہین، ایسے حالات مین ہم کو صرف مشاہدہ خارجی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اور ان کی مخفی کیفیات اور ذہنی احوال کا اندازہ جسمانی تغیرات کی بنا پر، اور خود اپنے تجربے کی مدد سے ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے جیمس کے ہمخیال بزرگون کو اس اعتراض پر بڑا اعتماد تھا کہ

"یہ صحیح ہے کہ جانورون مین (قطع نخاع کے بعد بھی) جذبی علامات و مظاہر پیدا ہوتے ہین لیکن ہو سکتا ہو کہ وہ جذبہ کو محسوس نہ کرتے ہون"

مطلب ان کا یہ تھا، کہ ظاہری علامات بغیر کسی نفسی کیفیت کے پیدا ہو سکتی ہین اور ظاہر ہے کہ چونکہ جذبہ کا اطلاق صرف نفسی کیفیت پر ہوتا ہے، اور اسی کو چونکہ ثابت نہین کیا جا سکتا، لہذا یہ بھی ثابت نہین ہو سکتا، کہ حشوی اور وعائی راستون کے مسدود کر دینے سے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہین، جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہین، نفسی کیفیت کے وجود کا علم اور ثبوت صرف مطالعۂ باطن کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے، اور یہ موجودہ صورت مین ناممکن ہے، لیکن شیر نگٹن جذبے کی نفسی کیفیت کے وجود کے ثبوت مین اس طرح استدلال کرتا ہے:-

"اگر ان جذبات کے مظاہر کے ساتھ ساتھ وہ سلاسلِ افعال نہ ہوتے جو عقلاً اس ظاہر شدہ جذبہ کے مستلزمات ہین، یا اگر یہ مظاہر ان سلاسلِ افعال کو پیدا نہ کرتے، تو یہ اعتراض کچھ وقیع ہو سکتا تھا، لیکن جہان غصہ کی ہیئت وجہی کے بعد ایک مقرر و معین قصد و ارادہ کے ساتھ آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کے افعال ہون، میرے لیے یہ قیاس کرنا ناممکن ہے، کہ وہ ادراک جو غضبناک مظاہر کا باعث ہوتا ہے، غصے کی حرکات کو تو پیدا کرے، لیکن "غصے کی حسیت" کو پیدا کرنے کے ناقابل ہو[1]،

شیر نگٹن کا یہ استدلال کسی مغالطہ کی آڑ نہین لے رہا ہے، مطالعۂ باطن کے نتائج میسر نہ آنے کی صورت

[1] "نظام عصبی کا فعل تکمیلی" صفحہ ۲۵۹، ۲۶۶،

مین یہ استدلال ناقابلِ تردید ہے، غصہ کی قصدی حرکات کا بغیر کسی نفسی کیفیت کے پیدا ہونا یقیناً محالات مین سے ہے، اگر یہ حرکات پیدا ہوتی ہین، اور ان سے ایک خاص مقصد بھی ظاہر ہوتا ہے، تو یہ بھی بدیہی ہے، کہ ان حرکات و مقصد کے پس پردہ کوئی نفسی کیفیت عمل کر رہی ہے،

معترضین شیر نگٹن کے اس جواب سے لاجواب ہو کر کہتے ہین، کہ اچھا ہم تسلیم کیے لیتے ہین کہ وہ جذبی کیفیت یقیناً پیدا ہوئی، اور یہ کہ حشوی اور وعائی احساسات جذبے کے لوازم نہین لیکن اس کا کیا ثبوت ہے، کہ جذبہ پورا کا پورا موجود رہا ہو، بہت ممکن ہو کہ جذبہ کا کچھ حصہ غائب ہو گیا اور کچھ باقی رہا ہو، اور باقی ماندہ حصہ کی وجہ سے وہ تمام جبلی حرکات پیدا ہوئی ہون، اس اعتراض کے کرنے مین مسٹر پِلسبری[1] پیش پیش ہے، یہ اعتراض صرف اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کہ اس کتے کی نخاع کو تو دماغ سے علیحدہ کر دیا گیا، لیکن اسکی آنکھون، کانون، ناک منھ وغیرہ کے اعصاب اب بھی دماغ تک پہنچ رہے ہین، اور اس وجہ سے اس کتے کے جسم کے آدھے حصے مین اضطراری قوسین بالکل صحیح و سالم ہین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ احساسی تہیجات ان راستون سے داخل ہو کر ان جبلی حرکات کو پیدا کر سکتے ہین یہ صحیح ہے کہ یہ حرکی ہیجانات اس کتے کے پچھلے حصے تک نہین پہنچ سکتے اور اس وجہ سے اس مین عضلی فعلیت پیدا نہین ہو سکتی، اور جب عضلی فعلیت ہی پیدا نہین ہوتی تو احساسی ہیجانات کا پیدا ہونا معلوم، لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا، کہ اس کا اگلا حصہ بھی بالکل منفعل اور غیر عامل رہتا ہے، لہذا اگر حشوی اور وعائی احساسات کو خارج کر دینے کے بعد بھی جذبات پیدا ہوتے ہین، تو یہ جذبات ان احساسات کا نتیجہ ہو سکتے ہین، جو ناک، کان، آنکھ وغیرہ کے اعصاب کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین،

اس اعتراض کا شیر نگٹن کے پاس کوئی جواب نہین، یہان وہ مجبور ہو کر سپر انگندہ ہو جاتا ہے

[1] "عام نفسیات" صفحہ ۲۰۱

اور اعتراف کر لیتا ہے کہ :-

"اس قسم کے اختبارات میں ایک کمزوری یہ ہے کہ اگرچہ جذبی مظاہر کے حشوی، دعائی اور کچھ عضلی آلات کو تو قطع کر دیا گیا، لیکن موخر الذکر کا ذرا سا حصہ یعنی چہرے کا، باقی رہا، یہ ان مراکز پر اثر آفرین ہو سکتا، جنکو شعور سے تعلق ہو،"

لیکن اس کمزوری کے باوجود وہ اپنے اختبارات کے نتائج کو قطعی سمجھتا ہے اور اس اعتراض کو بہت اہمیت نہین دیتا، وجہ ظاہر ہے کہ جب نخاع کو ادھڑون سے بے تعلق کرنے کے باوجود جذبات باقی رہتے ہین، تو چہرے وغیرہ کے اعصاب کی قطع و برید کے بعد بھی ان کا باقی رہنا کچھ متعسر نہین، موجودہ صورت مین اینجل کا یہ خیال صحیح ہے کہ جس شہادت مین کھوپری اور چہرے کے عضلات صحیح و سالم ہون، اس کو جیمس کے نظریئے کی تردید مین پیش نہین کیا جا سکتا، اور نہ خود جیمس اس کو قطعی سمجھتا ہے[1] لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اینجل کے اس خیال سے متفق نہین کہ "شیرنگٹن کے اختبارات سے یہ ثابت نہین ہوتا، کہ حشوی احساسات جذبی، نفسی حالات کے لیے لازمی نہین ہین" نہ معلوم یہ خیال اینجل نے کس بنا پر ظاہر کیا ہے، اگر حشوی احساسات کو ختم کر دینے اور ان کے راستے کو مسدود کر دینے کے بعد بھی جذبات باقی رہتے ہین، تو ہر ذی عقل شخص سمجھ سکتا ہے کہ یقیناً تخلیق و ترکیب جذبات مین شامل نہین ہوتے،

اس حقیقت سے نہ جیمس کو انکار ہے، نہ اس کے مخالفین کو کہ جذبہ کے ساتھ شدید و عمیق جسمانی تغیرات ہوتے ہین، دونون کے دونون اس کے قائل ہین، کہ ہر جذبہ لازمی طور پر جسمانی عضوی تغیرات پیدا کرتا ہے، ان دونون مین مابہ النزاع یہ ہے کہ جیمس ان تغیرات کو نفسی کیفیات

[1] A. Reconsideration of James theory of Emotions in the light of Recent Criticisms Psychological Review XXIII, P 261

پر مقدم اور اس کے لیے ضروری سمجھتا ہے، برخلاف اس کے اس کے مخالفین کا دعویٰ ہے، کہ یہ تغیرات نفسی کیفیت کا نتیجہ اور اس کے مظاہر ہوتے ہین، دوسرے الفاظ مین تمام بحث جسمانی تغیرات اور نفسی کیفیات کی تقدیم و تاخیر کی ہے، عضویاتی مظاہر کی تقدیم و تاخیر کی بحث مین، ظاہر ہے، کہ شیرنگٹن کے اختبارات جیمس کے نظریئے کا بال بیکا نہین کر سکتے، لیکن ہمارے نزدیک ان سے عضوی تغیرات کی ضرورت و لزوم کی تو قطعاً تردید ہے، اسی سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ نفسی کیفیات مقدم اور عضوی تغیرات مؤخر ہوتے ہین،

جیمس کے خلاف شیرنگٹن کے اس اختباری حملے کو ہارورڈ یونیورسٹی کے معلِ عضویات کے پروفیسر کینن اور اس کے شاگردون نے جاری رکھا، چنانچہ ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۵ء کے درمیان مین انھون نے مختلف مضامین شائع کئے، اور آخر ۱۹۱۵ء مین کینن کی کتاب "الم، خوف، غصہ اور بھوک مین جسمانی تغیرات"۔ شائع ہوئی، ان سب کا مشترک موضوع یہ تھا کہ الم، خوف اور غصہ کے جذبات کا آلات ہضم پر کیا اثر پڑتا ہے، یہ تمام اختبارات جیمس کے نظریہ سے براہِ راست کوئی تعلق نہین رکھتے، لیکن ان سے اس کے سمجھنے مین بہت مدد ملتی ہے، کینن نے یہ ثابت کیا، کہ ان جذبات کے انبعاث سے ان تمام آلات کے وظائف متاثر ہوتے ہین، جنکا تعلق نظام اشتراکی[1] سے ہے، یہ تمام اختبارات بلیون پر کیے گئے تھے، اس کا نتیجہ ان سے یہ برآمد ہوا تھا، کہ خوف اور غصہ دونون کی وجہ سے معدے کی انضمامی حرکات بند ہو جاتی ہین، اور خاص خاص غدود کے وظائف مختل ہو جاتے ہین، غدود کے اختلال وظائف کی ایک بیّن مثال تو یہی ہے کہ غصہ مین منھ خشک ہو جاتا ہے، اور غم مین آنسو جاری ہو جاتے ہین، یعنی یہ کہ غصے کی حالت مین ان غدود کی فعلیت رُک جاتی ہے جن سے تھوک خارج ہوتا ہے، اور غم مین آنسوؤن کے غدود کام کرنا شروع کر دیتے ہین، اسی طرح

[1] ریشون کا وہ نظام جو نخاع کے درمیانی حصے کے مراکز سے خارج ہو کر معدوں اور گردون کے قریب غدود سے جا کر ملتے ہین، انکی وجہ سے عمل انضمام بند ہو جاتا ہے، دل کی حرکات تیز اور غدود کی فعلیت قوی ہو جاتی ہو،

اس نے دکھایا کہ ان جذبات مین وہ غدود متاثر ہوتے ہین، جو گردون کے قریب واقع ہین، اس تمام تحقیق سے ان تمام حشوی اضطرابات کی حقیقت معلوم ہوئی، جو جیمس کے نزدیک جذبات کے جوہر ہین، کینن خود ان تمام نتائج کو جیمس کے نظریہ کے خلاف سمجھتا تھا،[1] لیکن بقول ہنٹر[2] اس کا یہ خیال غلط تھا، کیونکہ اور کچھ نہین تو ان سے اتنا تو معلوم ہوگیا، کہ جذبات مین جسمانی، اور خصوصیت کے ساتھ حشوی، تغیرات کا ہونا لازمی ہے، اس کے علاوہ کینن نے یہ بھی دکھایا کہ خوف اور غصہ مین عضوی تغیرات بعینہ یکسان ہوتے ہین، لہذا محض ان کی بنا پر ان مین امتیاز ناممکن ہے، لیکن یہان بھی اس کو غلط فہمی ہوئی، جیمس نے کبھی یہ دعوی نہین کیا کہ ان حشوی اور وعائی تغیرات کی بنا پر جذبات اور غیر جذبات مین امتیاز کیا کرتا تھا، اس کے علاوہ خود جیمس خوف اور غصہ کی یکسانیت اوران کے قریبی تعلق کا قائل تھا، پھر وجذبات کے تمام عضویاتی تغیرات مین سے صرف چند کو لے کر یہ کہنا کہ چونکہ ان مین کوئی اختلاف نہین، اسلئے ان جذبات مین بھی کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیئے" یقیناً غلط ہے، یہ مشابہت ومخالفت اس وقت تیقن کے ساتھ معلوم کیجاسکتی ہے، جب تمام اضطراری تغیرات واثرات کو پیش نظر رکھا جائے، یہ واقعہ ہے کہ خوف اور خوشی دونون مین دل دھڑکتا ہی لیکن اگر دل کی دھڑکن کے ساتھ عضلات کی حالت کو بھی شامل کیا جائے تو ان دونون مین بیّن فرق نظر آتا ہے،

جیمس کے نزدیک فقدان احساس اور فقدان جذبہ مین چولی دامن کا ساتھ ہے، کیونکہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین، کہ ایک محروم الاحساس شخص محروم الجذبہ بھی ہوا کرتا ہے، جیمس کے اس خیال کی تردید گذشتہ اختبارات سے بخوبی ہوچکی ہے، شیرنگٹن نے دکھایا ہے کہ فقدان احساس فقدان

[1] Bodily Change in pain Hunger Fear and rage صفحہ ۲۴۸-۲۰

[2] عام نفسیات صفحہ ۲۰۳،

جذبہ کا ہم معنی نہین ہوتا، یعنی یہ کہ اگر حشوی احساسات کا شعور وقوف غائب ہون تب بھی غصہ، خوف وغیرہ باقی رہتے ہین، پروفیسر شیرنگٹن کے ان نتائج کی تصدیق اٹلی کے ماہر عضویات پیگانے نے کی ہے،[1] ان اختبارات کے علاوہ بعض اور مثالین بھی پیش کی جاسکتی ہین، جو سب کی سب اسی نتیجہ پر صاد کرتی ہین چنانچہ جی، ایچ، ابرکلے نے دو واقعات ایسے بیان کیے ہین، جو جیمس کے نظریہ کے بالکل مخالف ہین[2] اسی طرح دو واقعات ایسے مذکور ہوئے ہین، جنمین ہپناطیقی اثر آفرینی سے فقدان احساس پیدا کیا گیا لیکن ان کے متعلق خود جیمس کا خیال ہے، کہ اس قسم کے اختبارات قابل اعتماد اور بری عن الخطا نہین ہوتے،[3] ان مثالون مین ایک اور مریض کے ذکر کا اضافہ بھی مفید ہوگا، اُس مین حشوی احساسات کا فقدان تھا، لہذا نظریۂ زیر بحث کے مطابق اسکے جذبات بھی غائب ہوجانے چاہئین تھے، لیکن اس مریض کو ایک جذبہ کا تجربہ ہورہا تھا، حالانکہ اس کے حواس اس قدر ضعیف ونحیف ہوگئے تھے کہ اس کو کسی بات کا یقین نہ آتا ہے اس کے عضلات اس قدر کمزور تھے، کہ بولنا، یاچلنا اس کے لیے ناممکن تھا لیکن اس کے باوجود جب اس کو نیند نہ آتی تھی، تو اپنی حالت کو بہت زیادہ سمجھتا تھا، اور جاگنے کو مصیبت اور کوفت کے نامون سے تعبیر کرتا تھا، اس کے بےحس ہونے سے ان تمام اثرات مین کسی قسم کا فرق پیدا نہ ہوا،[4] اسی قسم کے اور بہت سے واقعات بیان کیے جاسکتے ہین، ان سب کا متفقہ فتوی ہے کہ حشوی احساسات تخلیق جذبات کے لیے لازمی نہین، اور جب ان کو جذبات کیلیے لازمی ہی ثابت نہین کیا جاسکا، تو بھلا اس کا ثبوت کس طرح ممکن ہے، کہ یہ دونون ہم معنی الفاظ

[1] سائیکولوجیکل پرنسپلز" مصنفہ وارڈ صفحہ ۳۶۵ [2] حاشیہ رسالہ برین - جلد ۱۰، [3] مولوی عبدالماجد صاحب نے بھی اپنا ایک تجربہ بیان کیا ہے، جسمین انھون نے عمل ہپناطیقی سے ایک شخص پر جذبہ خوف کے صرف مظاہر پیدا کیے اور معلوم ہوا کہ اس نے فی الواقع اس جذبہ کو محسوس کیا (فلسفۂ جذبات صفحہ ۹۳) اس بنا پر انھون نے جیمس کی تائید کی ہے، لیکن بدقسمتی سے خود جیمس اس قسم کی شہادت کو اپنے لیے بیکار سمجھتا ہے، [4] سائیکالوجی پرنسپلس مصنفہ وارڈ صفحہ ۲۷

ہین ان تمام اختبارات و واقعات کے نتائج اس قدر قطعی اور اذعان بخش ہین، کہ جمیس کے نظریہ کو کسی طرح بھی تسلیم نہین کیا جاسکتا،

یہان تک ہم نے جمیس کے خلاف اختباری اعتراضات کا ذکر کیا ہے، ہم دیکھ چکے ہین کہ یہ اعتراضات ایسے کرمے تھے، کہ جمیس، یا اس کے ہمدردون سے اُٹھائے نہ اُٹھے، اور چونکہ سب اختبارات پر مبنی تھے، اس لیے سوفسطائی ہتھکنڈے بھی استعمال نہ ہو سکے، لیکن اس نظریہ پر صرف یہی اعتراضات نہین ہین، بلکہ ان کے علاوہ اور نظری اعتراضات بھی ہین، ان سے جمیس کے خیال کی تردید ہوتی ہے،

جمیس کہتا ہے :-

"جذبات احساسی اعمال ہوتے ہین، جو آیندہ متوجات کا نتیجہ ہوتے ہین، اور یہ آئندہ متوجات عالم خارجی کے واقعات و حادثات سے پیدا ہوتے ہین، دوسرے الفاظ مین یہ احساسی اعمال گویا اشیاء محرکہ کے اضطراری اثرات ہوتے ہین،..... اب سوال صرف علمی ہے، یعنی یہ کہ یہ شے کن تغیرات کو پیدا کرتی ہے، اور وہ شے کن کو اور کیا وجہ ہے، کہ یہ اشیاء یہ مخصوص تغیرات پیدا کرتی ہین کسی اور قسم کے تغیرات کیون پیدا نہین کرتین"[1]

اب جو اشیاء ایک خلقی نظام آلات کے ذریعہ سے ان تغیرات کو پیدا کرتی ہین، ان طبعی اشیاء سمجھنا غلط نہ ہوگا، پھر اس کے ساتھ ہی اس تمام عمل کو اضطراری کہا گیا ہے، اب قصہ یہ ہے کہ اضطراری حرکات کیلئے مہیج[2]

---

[1] جمیس صفحہ ۴۵۰ [2] مہیج دراصل عضویاتی اصطلاح ہے جسکا استعمال نفسیات مین بھی رواج پا گیا ہے، لیکن دونون علمون مین اس کے مفہوم جزئی طور پر مختلف ہوتے ہین، عضویات مین اس کا اشارہ جسم کی حالت مین تغیر کی علت کی طرف ہوتا ہے اور نفسیات مین اس سے مراد کیفیت شعور مین تغیر کے سبب سے لیجاتی ہے، لیکن چونکہ شعور کی کیفیت کے تغیر کا سبب ہمیشہ جسم کے اثرات مین پیدا ہوتا ہے، اسی نفسیاتی مہیج عضویاتی مہیج کی ایک مخصوص صورت ہوتا ہے، عضویاتی مہیجات کی ایک صنف ایسی ہے جسے ہم [illegible] اگر ہم انسان، تمام نفسیاتی مہیجات رکھے جا سکتے ہین، ہمارا مطلب ان مہیجات سے ہے جو نظام عصبی مین ایک تغیر یا تہیج پیدا کرتے ہین، لہٰذا ہم نفسیاتی مہیج کی تعریف زیادہ وضاحت اور صحت کے ساتھ اس طرح بیان کر سکتے ہین کہ اس عصبی تہیج کو نفسیاتی مہیج کہا جاسکتا ہے، جو شعور کے تغیر کی علت، یا اس کا معلول ہین، اس قسم کے عصبی تہیج کی مختلف علتین ہو سکتی ہین،

کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کہ اشیاء کی، نالائق سے نالائق ماہر عضویات بھی کبھی یہ نہ کہیگا کہ اشیاء کی وجہ سے اضطراری حرکات پیدا ہو سکتی ہین، اگر تھوڑی دیر کے لیے جمیس کی ہان مین ہان ملا دیجائے، تو ایک ہی شے ہمیشہ ایک ہی قسم کی اضطراری حرکات کا باعث ہونی چاہیئے، لیکن

اگر جمیس کے سامنے پہلے پنجرے مین بند ریچھ لایا جائے، اور بعد ایک آزاد ریچھ اس کے سامنے چھوڑا جائے تو پہلے ریچھ کا وہ تماشا دیکھتا ہے، اور دوسرے کو دیکھتے ہی ہوا ہو جاتا ہے[1]۔

اسی طرح ایک ماہر مغنی کے غنا، اور مشاق مصور کی تصویر کا اثر ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے، کہ پہلی صورت مین ایک ہی علت کے مختلف نتائج، اور دوسری حالت مین دو مختلف علتون کے ایک ہی معلوم کی توجیہہ کس طرح ہو سکتی ہے اگر یہ مختلف نتائج، یا یکسان اثر اشیاء کے اضطراری اثرات ہین، تو ان کا تخالف یا تشابہ ناقابل فہم ہے، لیکن یہان جمیس کہتا ہے، کہ وہ شخص ایک منفرد چیز سے متاثر ہو کر رد عمل نہین کرتا، بلکہ اس کے رد عمل کا اصلی محرک وہ تمام موقع و محل ہے، جسمین یہ رد عمل کیا جارہا ہے[2]، دوسرے الفاظ مین شے سے مراد وہ تمام موقع و محل ہے، نہ کہ ایک شے واحد، ہم اس کو تسلیم کئے لیتے ہین لیکن اس توضیح سے جمیس اپنے آپ کو اور کڑی مشکلات مین پھنسا لیتا ہے، پہلے اس کے نزدیک شے[3] ہم معنی تھی مہیج کے، جو ایک خلقی نظام آلات کی مدد سے ایک برآیندہ اخراج مین تحویل ہو جاتا ہے اب اس جدید توضیح کے مطابق "شے" مترادف ہو جاتی ہے، اس مجموعی موقع و محل کے جس کا وہ جواب دیتا ہے، لیکن غائر نظر کو "شے" کی ان دونون دلالتون مین ایک جہان اختلاف دکھائی دیتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ قبل) علتین ہو سکتی ہین، (۱) کوئی دوسرا عصبی عمل، (۲) اس سے متعلق کوئی اور جسمانی یا عضوی عمل (۳) طبیعی یا کیمیاوی عمل جو جسم سے خارج ہو، مہیج اور عصبی تہیج مفصل اور دلچسپ بحث کے لیے پروفیسر کلپے کی کتاب BJKINEZOF PSYCh OLA.Y صفحات ۱۰ و ما بعد کا مطالعہ مفید ہوگا، [1] ڈاکٹر دار و صفحہ ۲۷، [2] جمیس کا مضمون PhYSICAL BASIS OF EMOTION مندرجہ سائیکولوجیکل ریویو ۱۸۹۴ء، صفحہ ۵۱۵ حاشیہ،

اب ظاہر ہے کہ "شے" کے ان ہی دونون اسم مین سے ایک کو ہم کو اختیار کرنا ہے، اگر ہم اول الذکر مفہوم کو اختیار کرتے ہین، تو انسان ایک ذی شعور خودکار مشین بنجاتا ہے، اور اس کا جمیس منکر ہے[1] لہذا یہ مفہوم خود جمیس کے خیال کے مطابق ناقابل قبول ہے، اب رہ گیا دوسرا مفہوم، اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو ہم کو بالضرورت یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس ردعمل کے صدور کے لیے فاعل کی وضع وحالت بھی لازمی ہے، اور اس کے علاوہ یہ بھی ناقابل انکار ہو جائیگا کہ مسرت یا الم اس ردعمل کی تعیین کرتے ہین، یعنی یہ کہ اس ردعمل کے ساتھ ہماری کوئی غرض، یا دلچسپی وابستہ ہے، لیکن جب ہم ان دونون باتون کو تسلیم کر لیتے ہین، تو پھر جمیس کے نظریہ کو قبول کرنے کی گنجائش نہین رہتی، کیونکہ جذبات کی یہی تعلیل ہے، جو ماہرین نفسیات مین جمیس کے وقت تک مروج تھی، فرق صرف اتنا ہے، کہ اس تمام بحث سے وقعت، یا قیمت، کا ایک اور مقولہ روشنی مین آجاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس سے ماہر عضویات کو کوئی سروکار نہین ہو سکتا، اس مین شک نہین کہ اس کا وجود غور وخوض کے بعد معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ جن تجربات سے اس کو اخذ کیا جا رہا ہے ان کا مقدم ہونا ضروری ہے، ہمارا مطلب فاعل کے تاثری میلانات سے ہے، ان کی تقدیم ضروری اسلیے ہے کہ ان ہی کی وجہ سے وہ خارجی موقع ومحل اس شخص کے لیے قیمتی ہے اور وقیع بنتا ہے، اور اس شخص کی وضع وہیئت کی توجیہ بھی صرف اسی بناء پر ممکن ہے، اسی بنا پر جمیس کے سوالات متعلق بہ علت جذبات کا جواب دیا جا سکتا ہے[2]،

لیکن بہت جلد یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ یہ تمام علمی سوالات خود جمیس کے لیے بھی محض ضمنی تھے، اس کا اصلی دعوی یہ تھا، کہ جذبے مین عضوی احساسات کے علاوہ اور کچھ نہین ہوتا، اپنے اس دعوی کو ثابت کرنے مین وہ کہان سے کہان پہنچ گیا، بجائے اس کے کہ وہ

[1] پرنسپلز آف سائیکولوجی جلد اول، باب پنجم، [2] وارڈ، سائیکولوجیکل پرنسپلز صفحہ ۲۶۲

ان اشیاء کی طرف اشارہ کرتا، جو جذبات کا باعث ہوتی ہین، اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کسی جذبہ کی جسمانی علت پیدا ہو جائے، یہ کسی طریق اور کسی وجہ سے ہو تو وہ جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، یہانتک کہ اس جذبے کا بلا معروض یا بلا علت خارجی کے پیدا ہونا بھی ممکن ہے، یہی جمیس کی اس تناقض بیانی پر مزید روشنی پڑتی ہے، جسکی طرف ہم پیچھے کہین اشارہ کر آئے ہین، ایک طرف تو وہ کہتا ہے، کہ جسمانی تغیرات جذبے کی تکوین کے لازمی اجزا ہین، لیکن یہان اس کا عندیہ صاف طور پر یہ ہے کہ جذبات اور عضوی احساسات کے مجموعے مین شرکت وجود ہی نہین، بلکہ اتحاد ماہیت بھی ہے، اب چونکہ یہ جذبہ "بلا معروض" ہے، اس لیے "وہ شے" جو اس کا محرک بنتی ہے، عضویاتی ہوگی، نہ کہ نفسیاتی یعنی یکہ یہ جذبہ کسی ایسے ہیج کا نتیجہ ہوگا، جو ان عضوی احساسات کو پیدا کرے گا، نہ اس مجموعی موقع ومحل کا، اس خیال کی تائید مین جمیس نے علم الامراض کے واقعات بیان کئے ہین[1] یہ صحیح ہے کہ جذبہ خارجی حیثیت سے بلا معروض ہو سکتا ہے، لیکن ان واقعات سے یہ کسی طرح ثابت نہین ہوتا، کہ داخلی لحاظ سے بھی ان کا کوئی معروض یا ان کی کوئی علت نہین ہوتی، برخلاف اس کے ان کا منشا صرف اس قدر ہے کہ یہ علت غیر واضح اور موہوم ہوتی ہے، قانون تلازم کے اس عمل سے ہر شخص واقف ہے، کہ عضوی اضطرابات واختلالات اس مخیلہ کو دوبارہ زندہ کرنے کی طرف مائل ہوتے ہین، جو ان کے ساتھ کبھی پہلے متلازم ہو چکا ہے، لیکن جب تک کہ اس مخیلہ کا احیا نہین ہوتا، اس وقت تک وہ عضوی اضطرابات جذبی نہین بنتے اس مین بھی کسی کو کلام نہین ہو سکتا کہ صحیح الذہن اشخاص مین معمولی سے معمولی واقعات بھی ان متلازمات کے احیا کے لیے کافی ہوتے ہین، صرف شرط یہ ہے کہ ان کا جسم سقیم ہو، اور جب جسم اور ذہن دونون سقم کی حالت مین ہون، تو کسی خارجی سبب کی ضرورت ہی نہین ہوتی، کیونکہ ایسی حالت مین داخلی اسباب کی بہتات ہوتی ہے، اور ان ہی

[1] جمیس صفحہ ۴۵۸، [2] وارڈ، سائیکولوجیکل پرنسپلز صفحہ ۱۶۷،

کی وجہ سے ان ستلازمات کا احیار ہو جاتا ہے اور ان کے احیار سے وہ عضوی اضطرابی جذبی صورت اختیار کر لیتا ہے۔[1]

اس تمام بحث کے بعد وارڈ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:-

جیمس ولینگ کا نظریہ نفسیاتی اور حیاتیاتی نقطۂ نظر سے بالکل لغو ہے، اس میں علت کو معلول اور معلول کو علت ثابت کیا گیا، جو علم الامراض کی طرف اس کا مرافعہ واقعتاً بے کار اور اصولاً غلط ہے، جذبہ ہمیشہ حسیت کا مظہر ہوتا ہے، اور حسیت کا محسوس کرنے والی ذات کیلئے کوئی نہ کوئی خارجی معروض ہوا کرتا ہے، جذبہ کسی صورت میں بھی ارتسامات کے اصول کا ہم معنی نہیں ہوتا، بلکہ یہ ہمیشہ ان کا جواب ہوتا ہے، یہ جواب عام طور پر کم وبیش منتشر دوہری تحریک سے مرکب ہوتا ہے جو دوران خون اور دیگر نباتاتی اعمال میں تغیرات پیدا کرتی ہے، اور (۲) قوی یا ضعیف جذبات، مثلاً غصہ، دہشت وغیرہ میں ارادی عضلات کی مخصوص قوت یا ضعف پیدا کرتی ہے، جیمس یا لینگ کے نظریہ نے یہ (تخیلاً) ثابت نہ کیا، کہ حرکی اجزاء جذبی مظہر میں عضوی اجزاء کے برابر ضروری نہیں، یا (تحقیقاً) یہ کہ عضوی اجزا حقیقی معنوں میں حرکی اجزاء کی طرح داخلی وخارجی طور پر متعین نہیں ہوتے، شروع سے لیکر اخیر تک یہ نظریہ عضویات کے غلط استعمال کی زندہ مثال ہے۔[2]

ہم کو ذاتی طور پر ڈاکٹر وارڈ کے اس نتیجہ سے کلی اتفاق ہے، اصل یہ ہے کہ جیمس کے نظریہ پر کوئی تسلی بخش بحث نہیں کیجا سکتی وجہ اسکی یہ ہے کہ کچھ تو خود جیمس کے اصلی خیالات میں تغیر ہوا، اور کچھ مخالف اور زیادہ موافق نقیدوں سے اسکی اصلی شکل وشباہت مسخ ہوگئی، اس نظریہ کی بعد کی صورت میں بعض باتیں اصلی عقیدہ کے بالکل منافی ہیں، چنانچہ اس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں، ایک ہی نظریئے

[1] وارڈ، سائیکولوجیکل پرنسپلز صفحہ ۲۷۳ ، [2] ،، صفحہ ۲۷۵

کے اس قدر متناقض بیانات ظاہر ہے کہ تمام بحث اور صحیح تنقید کو ناممکن کر دیتے ہیں، امثال کے طور پر یہ بیان کیا جا سکتا ہے، کہ اس نظریئے کے خلاف ایک اعتراض یہ ہے، کہ اگر جذبہ کو بغیر عضوی تغیرات کے تصور میں نہیں لایا جا سکتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، رنگ بغیر امتداد کے، اور بادشاہ بغیر سلطنت کے، ناقابل تصور ہیں، لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے، کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں؟ کیا رنگ کو امتداد اور بادشاہ کو سلطنت کہا جا سکتا ہے؟ اگر ہم جیمس کے اصلی الفاظ کو ملحوظ رکھیں، تو اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ "عضوی اضطرابات کے احساس کا نام جذبہ ہے"، لیکن جو توضیح اس نے اپنے نظریہ کی بعد میں کی ہے، اس کے مطابق یہ اعتراض بالکل بے کار ہے، کیونکہ یہاں خود تسلیم کر رہا ہے، کہ یہ عضوی اضطرابات جذبات کے ہم معنی نہیں بلکہ ان کے ضروری اجزاء ہیں،[1] اب ہم ان دونوں جوابات میں کسی ایک کو اختیار کر سکتے ہیں، اسی طرح ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ اگر عضوی اضطرابات کے شعور ووقوف ہی کا نام جذبہ ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ایک ہی جذبہ مختلف حالات میں مختلف اضطرابات پیدا کرتا ہے؛ مثلاً خوف کی حالت میں ہم کبھی بھاگ جاتے ہیں، اور کبھی ہماری تمام حرکات بند ہو جاتی ہے، اور ہم جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں، اس کا جواب بھی جیمس کی بعد کی توضیح کی بنا پر ممکن ہے، یعنی یہ کہ دونوں میں ناگواری کی حسیت مشترک ہوتی ہے، اور یہ اشتراک مبنی ہوتا ہے عضوی اضطرابات کے اشتراک پر،[1] اس کے اصلی بیان کے مطابق یہاں بھی کوئی جواب نہیں بن پڑتا، اسی نوع کے اور اعتراضات بھی ہیں، جن کا جواب دینا اسی وجہ سے متعسر ہوتا ہے،

بعض مصنفین تو محض جدت کی لذت کی وجہ سے اس نظریہ کی حمایت کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلائل اس قسم کے نہیں ہوتے جن سے وہ اپنے اس دعوی کو ثابت کر سکیں، صرف گول گول

[1] عام نفسیات" مصنفہ ہنٹر صفحہ ۱۹۹ [2] ،،

الفاظ، اور تحکمانہ انداز مین وہ جیمس کا بیان کر کے کہہ دیتے ہین، کہ اس کے خلاف کسی شہادت کا لانا ناممکن ہے، اور یہ کہ اس کے موافق شہادتین اس قدر کثیر اور اس قدر قطعی ہین کہ اُن کا انکار ناممکن ہے لیکن بحالت موجودہ بہترین فیصلہ فرانسیسی فلسفی ربیو نے کیا ہے، اس نے جیمس ولینگ کے ساتھ اصولاً اتفاق کرتے ہوئے، ان کے طریق اظہار کی مخالفت کی ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ دونون بھی، قدیم نظریہ کے حامیون کی طرح جسمانی اضطرابات اور ذہنی تغیرات کے قائل ہین، متقدمین اور ان مین متنازع فیہ ان کی تقدیم و تاخیر ہے، یعنی یہ کہ جس نظریہ کی براندازی پر انھون نے کمر باندھی ہے، اس کے مطابق ذہنی تغیرات مقدم اور جسمانی حالات مؤخر ہین، لیکن ان کے نزدیک ذہنی تغیرات مؤخر ہین اور جسمانی اضطرابات مقدم، اسی کو دوسرے الفاظ مین اسطرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے، کہ متقدمین کے نزدیک جذبہ علت ہے، اور جسمانی مظاہر معلول، اور ان کے ہان جسمانی مظاہر علت ہین اور جذبہ معلول ربیو نے یہ ترمیم پیش کی ہے، کہ اس مسئلہ مین سے علت و معلول کا سوال اڑا دینا چاہیئے، اور اس کی بجائے ارسطو کے ہیولیٰ و صورت سے اس کی توجیہ کی کوشش کرنی چاہئے، اس طرح کہ جسمانی واقعات کو ہیولیٰ سمجھا جائے، اور ان کے مقابل نفسی کوائف کو صورت یعنی یہ کہ یہ دونون ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہوجائین، اس خیال کی بنا اس حقیقت پر ہے، کہ شعور کی کسی حالت کو جسمانی حالت سے منتزع نہین کیا جاسکتا، ان دونون مین چولی دامن کا ساتھ ہے، یہ دونون کے دونون ایک کے اجزاء، ایک تصویر کے دو رخ ہین اور اسلیے ان کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے، چہرہ اور جسم کی حرکات، اور محرک، ادعیہ اور تنفس وغیرہ کے تغیرات، گویا خارجی مظاہر ہین اور ان کے مقابلہ مین نفسی واقعات ہین، ان مین تقدیم و تاخیر نہ ہو سکتی ہے، نہ ہوتی ہے، عام طور پر ایک ہی واقعہ کو دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے بیان کیا جاتا ہے[1]،

[1] نفسیات جذبات صفحہ ۱۲۶،

جیسا کہ ہمنے کہا ہے، مدعی کی تناقض بیانی، اس کے متلون عقائد اور ہر روز بدلنے والے خیالات کو دیکھتے ہوئے، ربیو کا فیصلہ بہترین ہے، لیکن اگر بنظر امعان دیکھا جائے، تو ربیو نے نہایت ہوشیاری وچالاکی سے شہد کی مکھیون کے اس چھتے کے قریب جانے سے، یہ کہکر اپنے آپ کو بچایا ہے، کہ دونون حق بجانب ہین، یہ صحیح ہین کہ نفسی واقعات جسمانی تغیرات کے بغیر ناممکن الوقوع ہین، یہ مسلم ہے، کہ ذہن اور جسم کا گہرا تعلق علوم جدیدہ، خصوصاً عضویات اور تشریح الاجسام نے آئینہ کر دیا ہے، لیکن جذبات مین ان دونون مین فصل زمانی نہ ہونے کا مطلب پوری طرح واضح نہین ہوتا، شرح رفتار اور سمت رفتار حرکت کے دو پہلو کہے جا سکتے ہین، لیکن جذبہ اور اس کے مظہر مین اس قسم کا تعلق نہین ہوتا، ہمارا دماغ بلحاظ مقام کے ہمارے جسم کا ایک علیحدہ حصہ ہے، دماغ کا تہیج جن عضوی تغیرات کو پیدا کرتا ہے، وہ عصبی اعمال کے نتیجہ پر ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ کہنا بعید از صحت نہ ہوگا کہ عصبی اعمال کا وجود اس وقت تک نہین ہوسکتا، جبتک کہ یہ اپنے آپ کو ظاہر کر سکنے پر قادر نہ ہون، اور اسلیے ان دونون کو ایک ہی واقعہ کے دو پہلو کہا جاسکتا ہے، لیکن جیمس کے نظریہ مین سوال یہ ہے، کہ آیا اول عصبی اضطرابات بذات خود جذبی قسم کے شعور، یا کم از کم اس شعور کو مستلزم ہین کہ نہین، جو ایک مکمل جذبہ کا جزو ہوتا ہے، جیمس اس کو تسلیم نہین کرتا، کیونکہ اس کا خیال ہے، کہ اول عصبی اضطرابات پہلے آلات و اعضاء جسم مین تغیرات پیدا کرتے ہین، اور یہ تغیرات پھر نظام عصبی پر عمل و اثر کرتے ہین، قبل اس کے جذبہ پیدا ہو، اس دوسرے عمل و اثر کے ساتھ جو شعور متعلق ہے، اسی کو جیمس جذبہ کہتا ہے، ابتدائی عصبی تہیج کو وہ ادنی مراکز کے تہیج کا نتیجہ سمجھتا ہے، اور اسلیے شعور مین اس کے مقابل کوئی چیز نہین ہوتی، یہ صحیح ہے کہ جیمس نے اس ابتدائی ادراک کو، جو جذبہ کا باعث ہوتا ہے، "واقعہ مہیجہ کا ادراک" کہا ہے لیکن اس سے اس کا اشارہ ذہنی تہیج کی طرف نہین، اس واقعہ کو "مہیجہ" اس وجہ سے کہا گیا ہے، کہ اس کے ادراک سے عضوی تغیرات پیدا ہوتے ہین، اور یہ عضوی تغیرات ایک ردعمل کے طور پر ذہنی

تہیج کا باعث ہوتے ہین، اس کا یہ قول کہ "ان تغیرات کا بحالت وقوع احساس جذبہ ہے" ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے، اس کے علاوہ وہ صاف طور پر کہ رہا ہے کہ "واقعہ مہیجہ کے ادراک کے فوراً بعد جسمانی تغیرات پیدا ہوتے ہین"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جسمانی تغیرات اس واقعہ کے بعد ہوتے ہین جو انکا باعث ہوتا ہے، نہ اس واقعہ کے بعد جو ہم کو متہیج کر رہا ہے، اگر یہ مفہوم جمیس کا نہین، تو اس کے نظریہ مین کوئی نئی بات بھی نہین، کیونکہ اس سے کسی کو انکار نہین کہ عضوی اضطراب ایک مکمل جذبہ کا جزو ہوا کرتا ہے، چنانچہ مین نے اس کی اسی قدر شد و مد سے حمایت کی ہے اور ہم بھی اس کے منکر نہین، لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے (جیسا کہ ڈاکٹر وارڈ نے کر دیا ہے) کہ اس عضوی اضطراب سے قبل ذہنی تہیج ہوتا ہے، تو اس تہیج کو بھی جذبہ مین شامل سمجھنا چاہیے،[1]

مختصر یہ کہ جمیس کا نظریہ کسی حیثیت سے بھی قابل قبول نہین ٹھہرتا، ریبو کا فیصلہ اس بحث سے پیچھا چھڑانے کا بہترین ذریعہ ہے، ورنہ یہ بھی لائق تسلیم نہین، اور نہ واقعات اور جمیس کے بیانات سے اسکی تائید ہوتی ہے، جمیس کا نظریہ غلط اور بے کار سہی، لیکن اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا، کہ جذبات کی بحث کا عضویاتی پہلو روشن ہوگیا، جس پر اس سے قبل کسی نے توجہ نہ کی تھی، اس کے تردید کے لیے شیرنگٹن وغیرہ کے اختبارات سے یہ پہلو روز بروز روشن تر ہوتا چلا گیا، اگر نفسیاتی پہلو بجائے روشن ہونے کے، مدہم پڑتا گیا، غالباً اسی وجہ سے ڈاکٹر سٹائوٹ نے اس کو "عضویات جذبات"[2] کے نام سے یاد کیا ہے، اس لحاظ سے یہ نظریہ یقیناً قابل توجہ اور لائق تحقیق ہے، نفسیاتی نقطۂ نظر سے تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

[1] مینوئل آف سائیکولوجی مصنفہ سٹائوٹ صفحہ ۴۱۱-۴۱۲ حاشیہ،

[2] گراؤنڈ ورک آف سائیکولوجی، بحث جذبات،

آثار قدیمہ

از شمس العلما، حافظ نذیر احمد صاحب نائب ناظم محکمۂ آثار قدیمہ عجائب خانہ، کلکتہ،

گذشتہ دسہرہ کی تعطیل مین آثار قدیمہ و کتب نایاب کے لیے علی گڈھ کا سفر کیا، اپنے معزز لائق و فائق دوست جناب مولوی حاجی سید محمد احسن شاہ کے دولت کدہ پر فروکش ہوا، یہ بھی آثار قدیمہ کے بڑے شیفتہ اور علمدوست شخص ہین، ثابت خان کے تالاب کے مقابلہ مین ان کا مسکن ہے، علی گڈھ مین تحصیلداری کے عہدہ پر مامور ہین، وہان کے آثار قدیمہ کی نسبت وسیع معلومات رکھتے ہین، چند قلمی اور نادر اشیا، ان کے پاس بھی ہین،

کچکول گدائی (۱) کچکول گدائی جسے فقرا ناریل کے کھوپڑے کا سیاہ رنگ کا بناتے ہین، اور چاول وغیرہ جو خیرات اور بھیک سے ملتا ہے اس مین جمع کرتے جاتے ہین، یہ کچکول عجیب بے نظیر اور دلچسپ ہے گویا زیادہ قدیم نہین، طول ۱۱ انچ، عرض ۷ انچ، موٹائی ایک فٹ چار انچ ہے، اس کا بنانیوالا اور گلکاریان اور نقوش وغیرہ کرنے والا مرزا محمد علی نامی کوئی شخص ہے، اور یہ کشکول مہر علی شاہ کیلیے بنائی گئی تھی، ایک رباعی حافظ کی نہایت اعلی اور بہترین نستعلیق مین کندہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مہر علی شاہ، اور محمد علی عامل و نقاش دونون ایرانی تھے،

(رباعی)

مردی ز کنندۂ در خیبر پرس — اسرار کرم ز خواجۂ قنبر پرس

گر تشنۂ رحمتی ز فیض از حافظ — سرچشمۂ آن ز ساقی کوثر پرس

"میر علی شاہ، عمل مرزا محمد علی" نیچے تحریر ہے،

حبیب گنج کا کتب خانہ دو دن قیام کے بعد مین حبیب گنج بھیکن پور جو شہر سے ۲۰ کوس کی مسافت پر ہے،

اپنے قدیم کرمفرما مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی، صدر الصدور ریاست دکن کے کتب خانہ کے معاینہ کے لیے گیا مولانا کے صاحبزادے مولوی عبید الرحمن خانصاحب ام، ال سی موجود تھے، لیکن سوء اتفاق سے مہتمم کتب خانہ علیل تھے، اسلیے مجھے تفصیلی طور پر کتب خانہ دیکھنے کا موقع نملا، سرسری نظر سے دیکھا، مولانا کو ۴۵ سال سے کتابون کی فراہمی کا از حد شوق ہے اور زر کثیر صرف کرتے ہین، تقریباً ... اقلمی اور ۲۰۰۰۰ ہزار مطبوعہ تقریباً ۳ ہزار کتابین موجود ہین، اور کتب خانہ نہایت ہی معقاد و پاکیزہ ہے مگر مشرح فہرست نہین، صرف داخلۂ کتب کی فہرست ہے مین نے مولانا کو صلاح دی ہے کہ شرح فہرست مرتب کرین تاکہ طلبا مستفید ہون،

شمشیر ظفر تکیہ عالمگیری | کتب خانہ مین ایک تاریخی تلوار عالمگیر کی ہے جسکا نام ظفر تکیہ ہے، (تلوار پر بھی یہ نام کندہ ہے)

سنہ ۴۱ جلوس مطابق سنہ ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۷ع، ۲ جولائی مطابق ۱۳ محرم الحرام کو عالمگیر نے شمشیر ظفر تکیہ مع قبضہ مرصع ظفر تکیہ اور سی صد بیگہ زمین پرگنہ حویلی سرکار و صوبہ الہ آباد سے قاضی شیخ محمد دائم ولد شیخ محمد قائم کو عطا فرمایا تھا جو مندرجہ ذیل فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، یہ فرمان اور شمشیر ظفر تکیہ مع قبضہ مرصع کے دونون اس کتب خانہ مین موجود ہین،

مروی ہے کہ شہنشاہ عالمگیر جب تخت دربار پر اجلاس فرمایا کرتے تھے اسی تلوار پر ٹیک دیکر اٹھا کرتے تھے، یہ تلوار دربار مین برابر ان کے دست مبارک مین رہا کرتی تھی، واللہ اعلم بالصواب،

نقل فرمان عالمگیر

درین وقت میمنت عنوان فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ خدمت قضا بلدہ صوبہ الہ آباد مع سواد و قریات و متعلق آن از انتقال محمد ظریف بشیخ محمد دایم ولد شیخ محمد قائم و ... بلا قصور یومیہ از خزانہ بلدہ مذکور سیصد بیگہ زمین از پرگنہ حویلی سرکار و صوبہ مزبور از انجملہ

دو صد بیگہ بازیافت غلام رسول قاضی سابق و یکصد بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع معہ قبضہ ظفر تکیہ مرصع بشرط خدمت و علامہ مہر انہ و نکاحانہ در وجہ معاش او حسب الضمن مقرر باشند کہ بلوازم و مراسم آن کما ینبغی پرداز د، و در شرعیات و قطع و فصل قضایا و معاملات و دفع دعاوی و خصومات و عقود و انکحہ بلا دلی و قسمت ترکات و کتابت و صکوک سجلات و تحریص و ترغیب مردم بطاعات و عبادات و اجرا حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات و تحقیق اموال غیب و ایتام و تعیین و تعلیما و نصب قوام مساعی موفورہ بتقدیم رساند، باید کہ حکام و عمال و متصدیان مہمات و داروغگان و مشرفان و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال او را قاضی انجا دانند و یومیہ مزبور را موافق ضابطہ معمول باو رسانیدہ باشند، و زمین افتادہ را پیمودہ و چک تسیہ مع اراضی بازیافت بتصرف او بازگزارند و اصلا و مطلقا تغیر و تبدل بدان راہ ندہند و علت مال و جہات و اخراجات مثل قلبنہ و پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و مقدمی و قانون گوئی و ضبط ہر سالہ بعد تشخیص چک تکرار زراعت و کل مطالبات سلطانی و تکالیف دیوانی مزاحم نشوند، و اندرین باب ہر سال سند مجدد و نطلبند و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند، طریق جمہور سکنہ و متوطنین بلدہ مرقوم انکہ خطوط مقالات و صکوک و سجلات را بخط و مہر او معتبر شمارند، بستم محرم الحرام سال چہل و یکم جلوس و الا نوشتہ شد،

تلخیص و تبصرہ

جرمنی مین تعلیمی جد و جہد،

چند مہینے گذرے کہ ترکی سے پروفیسر کمال بک — جو پہلے ولایت ادرنہ میں انسپکٹر تعلیم تھے، اور آج کل ٹریننگ کالج آستانہ میں درس دیتے ہین — جرمنی بھیجے گئے تاکہ وہان کے تعلیمی نظم و نسق کا مشاہدہ کریں، اُنھوں نے واپس آکر ایک بیان شایع کیا ہے، جس سے جرمنی کے تعلیمی حالات پر روشنی پڑتی ہے، اس بیان کا اقتباس مصر کے مجلۂ الزہرا بابت ماہ رمضان میں شایع ہوا ہے، جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

پروفیسر کمال بک جرمنی کے ایک مشہور رکن تعلیمی سے ملے تھے، جو ایک کالج میں پروفیسر بھی ہین اُنھوں نے ترکوں کو اپنے صیغۂ تعلیم میں جرمنی کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دیا، اور پھر جرمنی کے نظام تعلیم کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا، "جرمنوں کا دستور ہے کہ جب وہ کسی نظام میں کوئی خفیف تغیر و تبدل بھی کرنا چاہتے ہیں تو اسے مدتہاے دراز تک زیر غور رکھتے ہیں، اور خصوصاً نظام تعلیم میں تو بغیر طویل غور و خوض کے ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر بھی نہیں کرتے ہیں،" چنانچہ اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جرمنی میں جو نظام تعلیم اس وقت رائج ہے، وہ ۱۹۱۷ء کا قائم کردہ ہے، اس اثنا میں جنگ عظیم ہوتی رہی، ملک میں متعدد انقلابات ہوئے، نظام شاہی درہم برہم ہوگیا، مختلف الخیال انتخابیوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آئی لیکن وہان کے نظام تعلیم میں کوئی معمولی تغیر بھی رونما نہیں ہوا،

وہاں کے تعلیمی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ اواخر ۱۹۲۵ء کی مردم شماری کے مطابق وہاں کی آبادی ۶۳ ملین ہے جس میں ۹۰ ½ فیصدی تعلیمیافتہ ہیں، ۱۹۱۷ء کے نظام تعلیم کے لحاظ سے وہاں مدارس کے تین زینے ہیں، ابتدائی ثانوی اور علیا، بچے جب چھ برس کی عمر کو پہونچتے ہیں تو وہ مدرسہ ابتدائی میں داخل کر دئے جاتے ہیں، مدرسہ ابتدائی میں دو قسم کے بچے پڑھتے ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے سرپرست انھیں صرف ابتدائی تعلیم دلانا چاہتے ہیں یہ بچے مدارس ابتدائی میں آٹھ سال تک رہتے ہیں، اس مدت میں انھیں مناسب تعلیم دیکر چودہ برس کی عمر میں مدرسہ سے رخصت کر دیا جاتا ہے، پھر ان کے سرپرست انھیں برسر روزگار لانے کے لئے ایک خاص قسم کے مدرسہ میں بھیجتے ہیں جنھیں وہاں (BEIRUFF) (صنعت و حرفت پیشہ یاد OORTBALDUNG) کہتے ہیں، ان طلبہ کو ان مدارس میں چار سال تعلیم دیجاتی ہے، اس طرح اٹھارہویں برس معمولی نوشت و خواند کے ساتھ ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ کسی کارخانہ یا دفتر میں ملازمت کرکے بسر اوقات کرسکیں، یا اپنا کوئی ذاتی کاروبار کرکے زندگی بسر کرین اور مدارس ابتدائیہ میں کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جن کے سرپرست انھیں اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے ہیں، یہ بچے ان مدرسوں میں چار سال تک رکھے جاتے ہیں، پھر انھیں مدارس ثانویہ میں بھیجا جاتا ہے جہاں وہ نو سال تک تعلیم پاتے ہیں، پھر اس کے بعد وہ مدارس عالیہ میں پہونچتے ہیں، اور یہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے تعلیمی زندگی ختم کر دیتے ہیں،

یہاں کے مدارس ثانویہ بھی ایک خاص نوعیت رکھتے ہیں، یہ مدارس تین قسم کے ہیں، طلبہ اپنے ذوق کے لحاظ سے ان تینوں قسم کے مدارس میں سے کسی کو منتخب کرکے اس میں داخل ہوجاتے ہیں کیونکہ ان تینوں قسم کے مدرسون مین مدارس عالیہ کی تعلیم کی مناسبت سے مختلف نوعیت کی تعلیم دیجاتی ہے، مثلاً کوئی طالب علم مدارس عالیہ میں علم ہندسہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اسے مدارس ثانویہ میں سے

اسی مدرسہ کو منتخب کریگا، جس کا نصاب تعلیم مدارس عالیہ کے علم ہندسہ کی تعلیم کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے بنایا گیا ہے، اور بعض وجوہ کی بنا پر بعض مدارس ثانویہ میں غیر ملکی زبانوں میں سے فرانسیسی پڑھائی جاتی ہے بعض میں لاطینی اور بعض میں کوئی دوسری زبان،

جرمنی میں تعلیمی جد وجہد کے سلسلہ میں یہ معلوم کرنا نتیجہ خیز ہوگا کہ وہاں کے مدرسوں میں مذہبی تعلیم لازمی اور جبری ہے، صرف بعض صورتوں میں بعض طلبہ کو ان کے سرپرستوں کی مخالفت کی بنا پر اس حکم سے مستثنی کر دیا جاتا ہے،

سب سے آخر میں وہاں کے مدرسوں کے مجموعی اعداد و شمار پیش کئے ہیں، وہ یہ ہیں، سنہ ۱۹۲۴ء ۱۹۲۵ء کے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ جرمنی میں سرکاری ابتدائی مدرسے ۵۲ ہزار اور غیر سرکاری ۷۰۰ ہیں، جنمیں ۵۸ ہزار ۰۰ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں، علاوہ ازیں دوسرے ابتدائی مدارس جو اندھوں بہروں اور گونگوں کے لئے ہیں ۹۰ ہیں جنمیں ۴۸ ہزار ۰۰ ۵ طلبہ و طالبات ہیں، ان مدرسوں کے بعد مدارس ثانویہ ہیں جنکی مجموعی تعداد ۳۴۳۱ ہے جنمیں ۲۷ ہزار ۴۴ اساتذہ اور ۳ لاکھ ۱۵ ہزار ۱۳ ۹ طلبہ ہیں، اور ۲۳ مدارس جامعہ ہیں، جنمیں ۴۵۶ اساتذہ اور ۵۸ ہزار ۷۱ طلبہ اور ۸ ہزار ۴۴ ۱ طالبات ہیں،

ان تمام مدارس کے علاوہ ۶ مدرسے تجارت کی تعلیم کیلئے ہیں ۱۱ مدرسے صنعت و حرفت کیلئے ۱۱ موسیقی سکھانے کے لئے، ۲ مدرسے فنون جمیلہ کے لئے، اور ۴ مدارس زراعیہ ہیں، ۲ مدرسوں میں جنگلوں کے متعلق اور ۳ مدرسوں میں معادن کے متعلق تعلیم دیجاتی ہے، "ر"

ہندوستان اور کتبخانے

موجودہ ترقی یافتہ دور میں متمدن ممالک میں کتب خانوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، چنانچہ برٹش میوزیم میں تقریباً پانچ ملین کتابیں ہیں، واشنگٹن کانگریس کے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد

تقریباً ڈھائی ملین ہے، اسی طرح جاپان میں جو متمدن ممالک کے دوش بدوش قدم بڑھا رہا ہے، بہت سے ایسے کتب خانے قائم ہیں جن کے اخراجات کا بڑا حصہ خود حکومت جاپان ادا کرتی ہے، لیکن کتبخانوں کے قیام اور انکی ترقی کے اعتبار سے ہندوستان کی حالت نہایت یاس انگیز ہے، خصوصاً جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی سرزمین ہے جسمیں کبھی ٹیکسلا، نالندہ، وکرام سلا، اور اودانت پوری کے کتبخانے موجود تھے، اور قدیم نایاب تصاویر اور موجودہ دیگر تاریخی تحقیقات کے علاوہ بہت سے غیر ملکی سیاحوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان بے بہا کتب خانوں میں ہزارہا قلمی نسخے موجود تھے جو بمنزلہ عالیشان عمارتوں میں آراستہ تھے، اور یہ کیوں نہ ہوتا جبکہ یہ کتابیں ہندو، جین، اور بدھ مت کی عبادت گاہوں میں بطور ایک مذہبی فرض کے محفوظ رکھی جاتی تھیں،

لیکن آج یہاں اس علمبردار تہذیب حکومت برطانیہ کے شاندار عہد میں صرف ایک سرکاری پبلک لائبریری کلکتہ میں پائی جاتی ہے، جو سنہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ منکاف کی یادگار میں قائم کی گئی تھی اور اسی میں سابق "امپیریل لائبریری" کے سکریٹریٹ لائبریری، کو مدغم کر کے ۸ ہزار روپیہ سالانہ خرید کتب کیلئے مقرر کئے گئے تھے، اس کتبخانہ کے علاوہ کلکتہ یونیورسٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتبخانے ہیں، لیکن ان کے دروازے عام لوگوں پر بند ہیں، اس لئے عام لوگ ان سے کوئی استفادہ نہیں کر سکتے، ایسی حالت میں ملک میں ان کا وجود و عدم مساوی حیثیت رکھتا ہے، ان کے علاوہ دیگر یونیورسٹیوں کے کالج و اسکول میں بھی کتب خانے قائم ہیں، لیکن ان سے بھی بآسانی استفادہ کرنا دشوار ہے، کہ ان کی کتابوں کی نہ کوئی بہتر ترتیب ہوتی ہے، اور نہ ان کا کوئی صحیح نظام قائم ہوتا ہے، کیونکہ ان کتبخانوں کے مہتمم بالعموم اسی قدر استعداد رکھتے ہیں کہ ایک کلرک کے فرائض انجام دے لیں، اور اسی لئے ان کتبخانوں میں وہ گرانقدر کتابیں بالعموم نظر نہیں آتیں، جو مختلف علوم و فنون پر مختلف ممالک میں برابر شایع ہوتی رہتی ہیں، کیونکہ ان کتبخانوں کے منتظمین ان کتابوں

کی اشاعت سے بالعموم لاعلم رہتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کے کتبخانوں کی رفتار ترقی تیز کی جائے، سفری اور دیہی کتبخانے قائم کر کے عام لوگوں میں کتبخانوں سے استفادہ کرنے کا مذاق پیدا کیا جائے، یہ فریضہ حکومت ہند کا ہے، اگرچہ اس نے جنوری ۱۹۱۸ء میں کتبخانوں کے لئے لاہور میں ایک آل انڈیا کانفرنس منعقد کی تھی، اور اس کانفرنس نے ایک "انڈین لائبریری ایسوسی ایشن" بھی قائم کی تھی لیکن ہم اس جد وجہد کے شاندار نتائج کے لئے اب تک چشم براہ ہیں،

(سوشیل سروس کوارٹرلی بمبئی بابت ماہ اپریل ۱۹۲۶ء)

"ر"

قسطنطنیہ میں فن خطاطی کی نمائش

قدیم دار الخلافت قسطنطنیہ نے قدیم عربی فن خطاطی کو اب تک زندہ رکھا ہے، اور اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر "مدرسۃ الخطاطین" کی بنا ڈالی گئی تھی، جس میں کامل الفن اساتذہ طلبہ کو خوشنویسی سکھاتے ہیں، اسی مدرسہ کے زیر اہتمام وہاں خوشنویسی کی ایک سالانہ نمائش ماہ رمضان میں ہوتی ہے جسمیں وہ تمام نفیس و نادر اشیا جمع کی جاتی ہیں جنھیں ایک سال میں مختلف اساتذہ اپنے کمالِ فن کیساتھ تیار کرتے ہیں،

اس سال بھی رمضان میں نمائش ہوئی تھی، اس میں اس مرتبہ بعض امریکن بھی شریک ہوئے، اور مشرقی صنائع خصوصاً مذہب و مطلا اوراق، مختلف قسم کی رنگ آمیزی اور ان باریک نقوش کو دیکھ کر محو حیرت تھے جو کاغذ، لکڑی کے ٹکڑوں اور سیپ وغیرہ پر بنائے گئے تھے، نمائش میں مدرسۃ الخطاطین کے نو اساتذہ نے اپنے لکھے ہوئے قطعات وغیرہ پیش کئے تھے، یہ قطعے تعداد میں تقریباً دو سو تھے، ان میں سے ایک بدیع قطعہ استاذ کامل آفندی کا تھا، جسمیں خط ثلث میں قرآن مجید کی آیت نور لکھی گئی تھی، اس قطعہ میں رنگ کی آمیزش اسمٰعیل حقی

نے کی تھی، ایک دوسرا قطعہ خط تعلیق میں تھا جس میں "یا مالک الملک" لکھا ہوا تھا، اس قطعہ کو استاذ خلوصی آفندی نے لکھا تھا، استاذ حسین بک نے چند طباقوں کی تصویر تیار کر کے بھیجی تھی جو لکڑی کے ٹکڑوں پر بنائی گئی تھی اور ایرانی طرز کے نقشوں سے منقش تھی، کمال الدین آفندی نے بطور پر لائٹ ہوس کا نقشہ کھینچا تھا، یہ بھی نمائش گاہ میں موجود تھا، ان کے علاوہ مشرقی منقش جلد سازی کا بھی ایک نادر نمونہ استاد بہار الدین آفندی نے پیش کیا تھا،

نمائش دوسرے سالوں کی بہ نسبت اس سال کم کامیاب ہوئی کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید نوجوانانِ ترک، مشرقی روایات کو زندہ رکھنے والے سینٹھے کے قلم اور قدیم مشرقی سیاہ روشنائی کے استعمال کو یورپ کی بنائی ہوئی نب اور روشنائی کی بوتلوں کے ہوتے ہوئے تضیع اوقات خیال کرتے ہیں، اور اسی لئے قسطنطنیہ سے قدیم عربی فن خطاطی کے زوال کا بھی اندیشہ ہے،

(الزہرا) "ر"

اخبار علمیہ

مصنوعی جزیرے، امریکہ کے مہندس ارمسٹرنگ نے سمندروں میں مصنوعی جزیرے قایم کرنے کا ایک طریقہ معلوم کر لیا ہے، تاکہ ان جزیروں میں وہ ہوائی جہاز اتر سکیں جو سمندروں کے اوپر پرواز کرتے ہوئے گذرتے ہیں، یہ جزائر فولاد اور سمنٹ سے بنائے جائیں گے، ان کا طول ۲۰۰۰ انچ اور عرض ۴۰۰ انچ تک ہوگا، اور یہ سمندر کی سطح سے ۱۰۰ انچ بلند ہوں گے، اور ان کے درمیان کا ۵۰ فی صدی حصہ پانی کے اندر ہوگا،

ریڈیم سے جذام کا علاج، ایک اسپتال میں ریڈیم کی شعاعوں سے مرض جذام کا علاج کیا گیا، اس طریقۂ علاج سے مریضوں کو بہت فائدہ ہوا، اس لئے امید کی جاتی ہے کہ یہ جدید طریقۂ علاج مرض جذام کے انسداد میں بہت کارآمد ثابت ہوگا،

امریکہ میں موٹروں کی تعداد، گذشتہ سال کے تناسب سے امریکہ میں موٹروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ اس وقت وہاں ۱۵ ملین موٹر استعمال میں ہیں، اور چند سالوں کے موٹروں کی تعداد کے تناسب سے خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۰ء تک وہاں ۴۵ ملین تک یہ تعداد پہنچ جائیگی اور اسی لئے مختلف ممالک کے بہ نسبت وہاں زیادہ تعداد میں موٹر تیار ہوتے ہیں چنانچہ وہاں ہر سال ۲۰،۶۰۰۰ موٹر بنائے جاتے ہیں،

خارق عادت ماں، ڈاکٹر ذکی بک محمد نے مصری اخبارات میں اطلاع شائع کی ہے کہ بندرگاہ سنورس میں ایک عورت کو بیک وقت چار لڑکے ہوئے، جن میں ایک لڑکی اور تین لڑکے تھے، ان کا بیان ہے کہ عورت کو ایام حمل میں کوئی غیر معمولی تکلیف نہیں ہوئی تھی، یہ بچے زندہ وسلامت پیدا ہوئے، اور اس دنیا میں چند روزہ زندگی بھی بسر کر گئے،

امریکہ کے اصلی باشندے، ڈاکٹر ہرڈلک اصلی باشندگان امریکہ کے متعلق بسیط بحث و تحقیق کے بعد اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ امریکہ کے اصلی باشندے کم از کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار سال پیشتر وہاں مشرقی ایشیا سے ہجرت کر کے پہونچے، اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے، اور لیو وینر (LEO WIENER) نے اپنی ایک تصنیف میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ امریکہ میں کولمبس کے داخلہ سے چند صدی پیشتر وہاں کے باشندوں کے تجارتی تعلقات عرب اسپین اور افریقہ کے باشندوں سے قائم تھے،

ایک مصری فوٹوگرافر کی کامیابی، چند مہینے گذرے پیرس میں فوٹوگراف کی تصویروں کی نمائش ہوئی تھی، مختلف ممالک کے فوٹوگرافروں نے اپنے ہاتھ کی کھینچی ہوئی تصویریں اس نمائش گاہ میں بھیجی تھیں، ان تمام تصویروں میں احمد صادق آفندی مصری کی کھینچی ہوئی تصویر فن اور حسن کے لحاظ سے سب پر فوقیت لے گئی، پیرس کے ایک وقیع مجلہ نے اس مصری مصور کی کامیابی کی تقریب سے خود مصور کی اور اسکے ہاتھ کی کھینچی ہوئی دو تصویریں بڑی مدح وستائش کیساتھ شائع کی ہیں، ان دونوں تصویروں میں سے ایک کا عنوان "غروب آفتاب اور انعکاس شعاع" تھا، اور درحقیقت احمد صادق کی یہی وہ تصویر ہے جس نے نقادان فن کو محو حیرت کر دیا تھا، اس مصری نوجوان کی اور تصویریں یورپ اور امریکہ

کی اور نمایش گاہوں میں بھی پیش ہو کر خراج تحسین وصول کر چکی ہیں،

مباحث طبیہ کیلئے ایک گرانقدر عطیہ، لندن کے ایک صاحبِ ثروت نے اپنا نام مخفی رکھکر وہاں کے ایک اسپتال کے ناظم سے مشورہ کر کے مباحث طبیہ کے لئے ۵۰ ہزار پونڈ یعنی تقریباً سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ وقف کیا ہے، اس گراں قدر رقم کے منافع سے ان اطبا کی خدمت میں معاوضہ پیش کئے جاویں گے جو مباحث طبیہ میں اپنا وقت صرف کر کے علم طب کی ترقی کے وسائل پیدا کریں گے،

چند جدید عناصر کا انکشاف، ڈاکٹر ہبکنس اور نیو یونیورسٹی کے چند دیگر اساتذہ نے ایک جدید عنصر دریافت کیا ہے، جو ۶۱ اجزاء سے مرکب ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ جدید عنصر ان عناصر میں سے ہے، جن کے ۵۸ سے ۷۱ تک اجزاء ہوتے ہیں، اسی طرح ڈاکٹر ہیروسکی نے بھی ایک جدید عنصر معلوم کیا ہے، جس کے ۸۷ اجزاء ہیں، ڈاکٹر موصوف نے اس جدید عنصر کو اپنے وطن بوہیمیا کی مناسبت سے "عنصر بوہیمیوم" سے موسوم کیا ہے، اب دیکھنا ہے کہ یہ جدید عناصر تمدنی ضروریات میں کن چیزوں کا اضافہ کرتے ہیں،

ایک امریکن کا مصر کو گرانبہا عطیہ، مصر میں آثار قدیمہ کا انکشاف اس قدر غیر معمولی سرعت سے ہو رہا ہے کہ وہاں کا موجودہ عجائب خانہ ان کے لیے کافی نظر نہیں آتا، اس سے متاثر ہو کر امریکہ کے مشہور دولتمند مسٹر جان راک فلر نے مصر کو دس ملین ڈالر یعنی تقریباً تین کروڑ روپیہ اسلیے عطا کیا ہے کہ اس رقم سے مصر میں ایک ایسا عجائب خانہ قائم کیا جائے جس کا دنیا کے بہترین

عجائب خانوں میں شمار ہو، مسٹر جان رکفلر نے اپنے عطیہ کے ساتھ آثار قدیمہ کے مباحث کیلئے ایک انسٹیٹیوشن کے قیام کی بھی خواہش کی ہے

علم ہیئت سے تاریخ کی تحقیق، ہومر کے قصیدہ کی کتاب ۲۰ میں ایک جگہ آتا ہے کہ آفتاب یکایک غائب ہو گیا، اور تمام دنیا تاریک ہو گئی، اب اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے، کہ اس زمانہ میں ایسا پورا سورج گرہن پڑا تھا کہ سورج کی ایک کرن بھی چھن کر باہر نہ آسکی، اب اس نظریہ کو پیش نظر رکھکر ڈاکٹر سکوتش نے علم ہیئت کے رو سے یہ دریافت کر لیا ہے کہ وہ سورج گرہن ۱۶ اپریل ۱۱۷۸ق م کو ظہر کے قبل ۱۱ بجکر ۴۱ منٹ پر واقع ہوا تھا،

روس میں علمی جد و جہد، روس میں ایک ایسی مجلس قائم ہوئی تھی جو سمندروں اور اس کے پانی وغیرہ پر علمی نقطۂ نظر سے بحث کرتی تھی، اس مجلس نے بحر اسود کے متعلق ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء میں بعض علمی مباحث شایع کئے تھے، روس کی موجودہ اطلاعات سے واضح ہوتا ہے، کہ اس مجلس کے سرگرم مباحث ابتک بدستور جاری ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ اس نے کامل تیس برس کے بعد بحر اسود پر دوبارہ غور کرنا شروع کیا، اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۵ء تک غور و خوض اور تجربے کرنے کے بعد بحر اسود کے متعلق بعض مفید حقائق کا انکشاف کیا ہے، جو اب شائع ہو گئے ہیں،

"ر"

ادبیات

کلام گرامی،

یک اشکِ خوں بدجلہ و جیحوں برابر است — در وادیٔ بلا کم و افزوں برابر است
مفت است گر ز غمزۂ خونریز جاں بریم — یک خونِ بیگناہ بصد خوں برابر است
در کارگاہ عقل بود رنگ امتیاز — در بزم عشق لیلی و مجنوں برابر است
با حادث و قدیم انا الحق چہ می زنی — چوں اے پسر چگونہ و بیچوں برابر است
در شرع بر زبان زلیخا جز ایں نبود — یک آہ با ہزار شبیخوں برابر است
اللّٰہی ست دیگر و لاہی دگر بود — غافل کجا بحضرت ذوالنوں برابر است

آنجا کہ شد گرامیِ غمدیدہ اشک ریز
یک قطرہ با تلاطمِ جیحوں برابر است

نوائے حزیں

مولوی سید محمد صاحب حزیں نوگانوی سیاح ایران نائب مدیر رہنمائے تعلیم لاہور مدرس فارسی سرہار کوٹ مڈل ہائی اسکول شملہ

اے بتِ کافرم از من خبرے نیست ترا — می کشم نالہ و بر دل اثرے نیست ترا
چشم صد لطف تو دارم نظرے نیست ترا — خاک رہ گشتم و بر من گذرے نیست ترا
شمع رخسار گیری و کجوری[1] بجہاں — مثلِ من والہ و شیدا دگرے نیست ترا

[1] کجوری یعنی کجوئی

بشکنند گر قفس اے دل اچہ کار تو خورد — تو سے گلشن بر سی بال و پرے نیست ترا

رہ غلط گر بکنی خضر تو دل ہست حزیں
در جہاں بہتر ازیں راہبرے نیست ترا

کلام عابد

از جناب سید عابد علی صاحب بی، اے مدیر ہزار داستان لاہور

بڑی لذت سے آتا ہے زباں پر میری نام اسکا — خدا چاہے تو آیا چاہتا ہے کچھ پیام اس کا
ضرورت کیا کہ اب ساقی اسے لبریز می کردے — کہ عکسِ رخ سے رنگیں ہو گیا ہاتھوں میں جام اس کا
کسی کی لغزشِ مخمور فردوسِ تماشا ہے — نشاطِ حسن سے سرشار ہے طرزِ خرام اس کا
وہ عالم ہے کہ پھر بجلی گرے گی دشتِ ایمن پر — کوئی دیکھے تو آرائش میں رنگِ اہتمام اس کا
ہمیں ذوقِ طلب میں دوریِ منزل کا غم کیا ہے — بلند و پست سے بالا ہے عشقِ تیز گام اس کا
تپش دردِ محبت کی نہیں جاتی نہیں جاتی — ابھی تک میرے سینہ پر ہے داغ ناتمام اس کا
وہ کیا جانے کہ اندوہ محبت کے مزے کیا ہیں — ابھی ناآشنا ہے غم سے حسنِ شادکام اس کا
بہارِ ناز ہیں انداز اس کے مہ جبینوں میں — جنوں زا ہے ادا اس کی گل افشاں ہے کلام اس کا

نجا و عابد رنگیں نوا کی خاکساری پر
ذرا دیکھو تو اقلیم جنوں میں احترام اس کا

———

[1] تو ئی بہ لغت جدید یعنی و راست،

باب التقریظ والانتقاد

اُردو کے نئے رسالے،

ہم کو اکثر یہ شکایت رہا کی ہے کہ اردو کے پرچون کا معیار، یورپ اور مصر تو کیا، خود ہندوستان کے پرچون مادھری اور سرستی کے برابر بھی نہین ہے، لیکن سہیل کی اشاعت نے ہمارے خیال مین تغیر پیدا کر دیا جو مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوئے معلّی کی طرف سے ہمارے دوست پروفیسر رشید احمد صدیقی کی ادارت مین ہر تیسرے ماہ شائع ہوگا، اس کا پہلا پرچہ جوبلی کے موقع پر نکلا، اسلیے اسکی ظاہری شان وشوکت کی ستائش اسی وقت کرنی چاہیئے، جب یہ صورت برابر قائم رہے، یہ پرچہ اگر دیر تک زندہ رہا تو اردو کی ارتقا اور ترویج مین اس کا خاص حصہ ہوگا کیونکہ یہ پرچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر نکالا گیا ہے، سہیل کا یہ مقصد اس کے ٹائیٹل پیج، یا اس کے دعاوی سے نہین بلکہ اس کے مضمونون کی نوعیت سے ظاہر ہوتا ہے، نہ صرف مضامین کی نوعیت بلکہ ترتیب مضامین بھی خاص تعریف کی مستحق ہے، یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد، انجمن اردوئے معلّی کے شرکا اور ملک کا علمدوست طبقہ اگر سہیل کی امداد کرتا رہا تو ہم کو اس سے بہت کچھ خوش آیند امیدین ہین، جو لوگ رشید احمد صاحب سے محض اخباری تعارف رکھتے ہین وہ خیال کرتے ہون گے کہ سہیل صرف متین ظرافت کا سرمایہ دار ہوگا، لیکن وہ جب سہیل کو دیکھین گے تو ان کو علمی وقار ومتانت اور سنجیدگی وثقاہت محسوس کرکے حیرت ہوگی، قیمت سالانہ ۵ پتہ:۔

اردو کے مرکز لکھنؤ سے بھی اس کا ایک ہم نام سہیل یمن "ابو البراعۃ" سید ظفر مہدی افق "السید

نواب علی الرضوی" کی ارادت مین "افق نور المطابع وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے طلوع ہو کر دفتر سہیل یمن سے سیارہ بلاد ہوا ہے، تعجب ہے کہ لکھنؤ، جو ہمیشہ "فرنگی محلی اردو" کو مولویانہ اردو کہتا رہا ہے، "ابو البراعۃ" "السید الرضوی" "معرکۃ القلم" اور "اثر الماضی" جیسی ترکیبون کو کیونکر برداشت کر سکا، سہیل یمن کا موٹو "اتنک موتھ ...... الخ" یعنی یہ سنیون پر یا خود اس کے لفظون مین ان نجدیون پر اعتراضات کریگا "جو سنی بنکر شیعون پر حملے کرتے ہین" قیمت سالانہ ۳ شششماہی ۲ ، پتہ دفتر سہیل یمن وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ،

سہیل یمن کے ساتھ اسی لکھنؤ کے ایک دوسرے پرچہ طالب علم کو دیکھکر مسرت ہوگی، یہ چھوٹے بچون کے اہتمام سے ماہوار نکلتا ہے، چھوٹے چھوٹے باکار مضامین کا مجموعہ ہوتا ہے، اس مین عالمانہ شان کے مضامین کی تلاش مناسب نہین، بچون کے لیے پرچہ نہایت مناسب ہے، زبان ستھری ہے قیمت سالانہ عہ، پتہ دفتر طالب علم سرکلر روڈ نمبر ۲۰۳، لکھنؤ،

اسی لکھنؤ سے ایک جہان عزیز" پرچہ مرقع بھی نکلتا ہے، ہم کو شبہہ ہے کہ شاید خود لکھنؤ نے "جہان عزیز" کو نہ سمجھا ہوگا، لیکن پرچہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاصا ہے، اس کے مدیر جناب وصل بلگرامی کو شعر وشاعری مین خانوادۂ امیر سے نسبت ہے اسلیے ابھی اس درخواست کی گنجائش ہے کہ پرچہ اس ادبی تفوق کا آئینہ نہین معلوم ہوتا جو لکھنؤ کو، پنجاب، حیدرآباد، علی گڈہ وغیرہ دوسرے مقامات پر حاصل ہونا چاہیئے تاہم قابل مذمت نہین، قیمت سالانہ صہ

اردو کے دوسرے مرکز دہلی سے بھی ایک ماہوار پرچہ تجلی شائع ہوتا ہے، لیکن اس کا دعویٰ ہر قسم کے علوم یا ادب کی خدمت کا نہین ہے، وہ لوگون کو کام مین لگانا چاہتا تھا، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ بقول خود "ترقی کی عملی تدابیر بتانے والا ماہانہ رسالہ" ہے، اس بنا پر یہ اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ہے، اس کے مضامین زیادہ تر صرف اصلاح معاشرت اور اخلاق سے

تعلق رکھتے ہین، اس وقت ہمارے پیش نظر اس کا پانچوان نمبر ہے، جسمین "آمدنی بڑھانے کے طریقے" "تجارت مین کامیابی" جیسے عنوانات نہایت مفید ہین، مگر سرسری ہدایات اور نصیحتون کے ساتھ واقعی اور عملی باتون کو بھی پیش کرنا چاہیے، ہم کو صرف اتنا بتا دینا کافی نہین ہے کہ فلان کام کرنا مناسب ہے، بلکہ ہم کو یہ بھی بتانا چاہیئے کہ اس کام کے شروع کرنے مین جو عوائق ہین انکو دفع کرنے کی یہ سبیل ہے، قیمت سالانہ عہ/ رتبہ:- دفتر تجلی سرکیوالان دہلی،

حال مین عظیم آباد (پٹنہ) سے بھی ایک واحد مجلہ "علمیہ ادبیہ" شائع ہونے لگا ہے، جس کا نام **تصویر خیال** ہے، اس پرچہ کی اصل ذمہ داری جناب ضیاء الملک منظور الحق صدیقی پر ہے، ان کے علاوہ تین مدیران اعزازی اور ہین جو ان کی مدد کرتے ہین، یہ تینون بزرگ "شاد" اور بی اے ہین، رسالہ اچھا ہے لیکن صحت زبان اور بلندی معیار کی ضرورت ہے، قیمت سالانہ ۴؎ پتہ دار الاشاعت علمیہ مراد پور پٹنہ،

ہندوستان مین طبی پرچون کی جس قدر ضرورت ہے ظاہر ہے، لیکن افسوس! سارے ملک مین اردو طبی پرچے دو ہی ایک ہین، جنمین سے کسی کا بھی معیار بلند نہین، حال مین کلکتہ سے **شفا** نام کا ایک پرچہ نکلنے لگا ہے، اس پرچے کے مضامین کی نوعیت بتا رہی ہے کہ اگر کوشش کیجائے تو اس کا معیار بلند ہو سکتا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ "گذشتہ سے پیوستہ" کے سلسلون مین کمی ہو، قیمت سالانہ سے رتبہ ۶۶ نمبر کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ،

کچھ دن ہوئے لاہور سے "انتخاب" نام کا ایک مفید رسالہ نکلنا شروع ہوا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اردو رسالون کے منتخب اور بلند معیار مضامین کو یکجا کر کے پیش کرے، اگر انتخاب زندہ رہتا اور خوش اسلوبی سے اپنا فرض ادا کرتا رہتا تو ملک کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتا، لیکن افسوس کہ وہ بند ہوگیا تاہم اب وہی "انتخاب" **بہارستان** بنکر نکلا ہے جسکا مقصد منتخب مضامین شائع کرنا نہین بلکہ قابل انتخاب مضامین کی اشاعت ہے،

کیا ہم جناب شیرانی سے یہ درخواست کرنے مین کامیاب ہوسکتے ہین کہ انتخاب کا مقصد بہارستان مین بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے، اگر صحیح نظر انتخاب کے ساتھ، غلط اعتراضات کا جواب سکوت کے رنگ مین دیتے ہوئے، آپ اپنے پرانے مقصد کو انجام دیتے رہین تو بالآخر کامیابی یقینی ہے، بہارستان کی قیمت سالانہ عہ روپیہ ہے، پتہ، دفتر رسالہ بہارستان مزنگ لاہور،

چاند (لاہور) علمی، ادبی، اخلاقی، تاریخی، طبی، روحانی (غرض تمام) دلچسپیون کا ماہوار مجموعہ ہے، ارہڈی کاجریہ کی اوڈیٹری مین دفتر رسالہ چاند مستی گیٹ لاہور سے شائع ہوتا ہے، قیمت سالانہ صہ/

آفتاب کلکتہ، چاند سے زیادہ روشن اور مفید ہے، قیمت سالانہ سے رتبہ:- نمبر ا گنگا دھر بابو لین بئو بازار کلکتہ،

کلیات اقبال،

مرتبہ

مولوی عبدالرزاق صاحب ایچ، سی، ایس

ڈاکٹر اقبال ان لوگون مین ہین جنکے کلام کی جمع و ترتیب کے لیے کسی غیر معمولی جد و جہد کی ضرورت نہین، ان کی متعدد نظمین الگ الگ چھپی ہوئی عام طور پر بازارون مین ملتی ہین، ان کا کلام بکثرت اخبارات و رسائل مین شائع ہوتا رہتا ہے اور بہت سی نظمین لوگون کو ازبر یاد ہین، اسلیئے ان پراگندہ موتیون کو سمیٹ کر ایک لڑی مین پرو دینا نہایت آسان کام ہے، لیکن اس کلیات کے جامع مولوی عبدالرزاق صاحب نے اس آسانی کے بجائے علمی زحمت گوارا کی ہے اور ابتدا ہی سے ان کی شاعری کو تاریخی حیثیت سے پیش نظر رکھا ہے، چنانچہ انھون نے ایک بیاض مین ان کی دو سو نظمین جن مین غزلین بھی شامل تھین، جمع کی تھین، اور نظمون کے ساتھ

ان کے متعلق چند اہم تاریخی مواد بھی فراہم کئے تھے، مثلاً،

(۱) کونسی نظم کس سنہ مین لکھی گئی، کب، کس موقع پر، اور کہان پڑھی گئی،؟

(۲) کونسی نظم ہندوستان سے گذر کر دنیا کے کس کس ملک مین پہنچی، وہان اس کا ترجمہ کس زبان مین اور کس رسالے یا اخبار مین شائع ہوا اور اس پر کس کس نے تنقید کی،؟

(۳) نظم لکھنے کے کون سے اسباب محرک ہوئے،؟

(۴) نظم کی بنیاد کلام مجید کی کس آیت یا فلسفہ کے کس مسئلہ پر ہے،؟

(۵) نظمون سے متعلق معتبر روایتین کیا کیا ہین،؟

لیکن افسوس ہے کہ یہ بیاض گم ہوگئی، اسلیے کہ یہ مجبوراً اس مجموعے مین یہ تمام تاریخی مواد شامل نہ ہوسکا، تاہم انھون نے اپنی یادداشت سے متعدد نظمون کے متعلق اس قسم کی چند معلومات اس مجموعے مین بھی درج کردی ہین، اس کے بعد ۱۳۴ صفحات مین ایک دیباچہ لکھا ہے، جو حسب ذیل ابواب پر منقسم ہے،

(۱) اقبال کے مختصر حالات،

(۲) اقبال کی شاعری،

(۳) اقبال کی تصنیفات،

ڈاکٹر اقبال کے حالات ۲۰ صفحون مین آتے ہین، اور ہر عنوان کے متعلق کافی مواد موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کے اخلاق و عادات کا عنوان نہایت نامکمل اور تشنہ ہے، حالانکہ ایک شخص جو صرف شاعر ہی نہین بلکہ فلسفی اور مصلح بھی ہے، اوسکی اخلاقی شخصیت بہت زیادہ نمایان کرنے کی چیز تھی،

حالات کے بعد اقبال کی شاعری پر نہایت مفصل بحث کی ہے، اور اوس کے متعلق جس قدر تاریخی مواد موجود تھا سب کو یکجا کردیا ہے، اور غالباً اردو شعراء مین کسی کی شاعری کے متعلق اس قدر تنقیدی و تاریخی مواد نہین ملسکتا،

اس کے بعد اقبال کے شاعرانہ خصوصیات نہایت تفصیل کے ساتھ دکھائے ہین، اور ہر خصوصیت کو واضح مثالون سے ثابت کیا ہے، دیباچہ کے دو پہلے ابواب تاریخی حیثیت رکھتے ہین یعنی اقبال اور اقبال کی شاعری کے متعلق جامع کو جو کچھ معلوم تھا، یا خود اقبال نے یا دوسرے لوگون نے لکھا تھا، اس کو نہایت جامعیت و استقصار کے ساتھ ایک جگہ جمع کردیا ہے، لیکن یہ تنقیدی حصہ خاص جامع کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہے، اور ہم کو اس کے کہنے مین مطلق تامل نہین ہے، کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری کے متعلق ہر حیثیت سے نہایت تشفی بخش بحث کیگئی ہے،

اس کے بعد ان کی تصنیفات کی فہرست دی ہے، اور یہ تمام مباحث ۱۳۰ صفحون مین آئے ہین، جنکے بعد اصل کلیات شروع ہوتا ہے، جسکی ابتدا غزلون سے کیگئی ہے، اور ۲۴۰ صفحے تک انھی کا سلسلہ چلا گیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انھون نے ڈاکٹر اقبال کے کلام پر جو ریویو کیا ہے، اس مین انکی غزلون کی خصوصیات کو نظرانداز کردیا، حالانکہ تاریخی حیثیت سے یہ دکھانا ضرور تھا کہ اقبال نے غزل کے اسٹائل مین کیا کیا تغیرات کئے ہین، اور وہ کس قسم کے مضامین پر مشتمل ہین، غزلون کے بعد نکات یعنی ظرافت آمیز لیکن خرد آموز اشعار کا مجموعہ ہے، پھر نقش قدرت یعنی مناظر قدرت، پھر فانوس حیات یعنی وہ نظمین ہین جو حقائق و معارف کا گنجینہ ہین، اس کے بعد شمع طور ہے لیکن یہ معلوم نہین ہوتا کہ ان نظمون مین وجہ اشتراک کیا ہے؟ اور اُن کا عنوان "شمع طور" کس مناسبت سے قائم کیا گیا ہے،

اس کلیات کی ضخامت ۲۲۶ صفحہ اور لکھائی چھپائی عمدہ ہے، اور محمد نجم الدین احاطہ حیدر جنگ مرحوم ترپ بازار حیدرآباد دکن سے ملسکتی ہے، قیمت مجلد ؎ غیر مجلد ؎

"ع"

مطبوعات جدیدہ

فلسفیانہ مضامین، الناظر بک ایجنسی لکھنؤ نے مولانا عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی کے ان وقیع فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ شائع کیا ہے جو مجلہ الناظر لکھنؤ مین چند سال پیشتر تک وقتاً فوقتاً مختلف فلسفیانہ مباحث پر نکلتے رہتے ہین، یہ رسالہ چھ مضامین کا مجموعہ ہے، پہلا مقالہ "فلسفہ کی ماہیت اور اس کے مذاہب" پر ہے، جس مین پہلے فلسفہ اور سائنس کے حدود کو الگ الگ کرکے فلسفہ کی تعریف سمجھائی گئی ہے، پھر فلسفہ کی ابتدا سے موجودہ زمانہ تک کے تمام مذاہب فلسفہ کی اجمالی تاریخ اور فلسفہ کے ہر اسکول کے مختصر حالات بتائے گئے ہین، دوسرا مقالہ "فلسفہ کی تعلیم گذشتہ اور موجودہ" ہے جس مین یونان اور یورپ کے عہد بعہد کے ممتاز فلاسفہ کے سوانح، اور دیگر علمی و تعلیمی حالات اجمالی طور پر بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد تیسرے مقالہ مین "فلسفہ تشکیک" کی تشریح اور اسکی تاریخ ہے، چوتھا "مل کی منطق" پر ایک مقالہ ہے جس مین مل کی کتاب "نظام منطق" کی مختصر مگر جامع تلخیص اضافۂ امثلہ کے ساتھ کیگئی ہے، اس کے بعد "نظام ازدواج" پر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحث کیگئی ہے، سب سے آخر مین یورپ کے مشہور فلسفی ہکسلے کے حالات ہین، پہلے مضمون کی ابتدا مین مولانا موصوف کا ایک خط اڈیٹر الناظر کے نام ہے، یہ خط ان حالات کا آئینہ ہے جب مولانا موصوف فلسفہ کے رنگ مین رنگے ہوئے تھے، اسلئے ان کے قدیم خیالات پر تنقیدی نظر ڈالنا بیسود ہے لیکن ناشر مجموعہ کا فرض تھا کہ ان تمام مضامین اور خصوصاً اس خط پر خود مولانا موصوف سے ایک تبصرہ لکھا کر مجموعہ مین منسلک کر دیتے کہ اس سے بعض غلط فہمیان بھی دور ہو جاتین،

اور ایک علمی و مذہبی خدمت بھی انجام پاتی ضخامت چھوٹی تقطیع پر مع فہرست اصطلاحات و فہرست اسماء ۳۵۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت عہ پتہ:- الناظر بک ایجنسی لکھنؤ،

تاریخ زوال روما، یورپ کے مشہور مورخ ایڈورڈ گبن کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف دی ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر" کا اردو ترجمہ جناب سید مطلب حسین صاحب بی اے لکھنوی نے "تاریخ زوال روما" کے نام سے کیا ہے، اس کا پہلا حصہ دائرۂ ادبیہ لکھنؤ نے شائع کیا ہے اور یہی زیر تبصرہ ہے، ابتدا مین جناب چودھری رحم علی ہاشمی بی اے کا ایک مقدمہ انیس صفحون مین ہے جس مین گبن کے سوانح و حالات بیان کئے گئے ہین، لیکن گبن کے سوانح و حالات کے ساتھ ساتھ یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ حکومت روما کی مکمل تاریخ کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کیا جاتا کہ اس سے عام اردو دان طبقہ کو کتاب کے سمجھنے مین زیادہ سہولت ہوتی، اصل کتاب کا ترجمہ سلیس اور سادہ زبان مین ہے، ضخامت ۱۰۰ صفحے کتابت نہایت باریک ہے جو غالباً دائرۂ ادبیہ کی مالی مشکلات کا نتیجہ ہے، قیمت دائرۂ ادبیہ لکھنؤ سے طلب کرین،

عام فہم تفسیر پارہ سیقول وعم، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی "عام فہم تفسیر" کے پارہ الم پر کسی گذشتہ نمبر مین تبصرہ کیا جا چکا ہے، اب اسی تفسیر کے پارے "سیقول" اور "عم یتساءلون" شائع ہوئے ہین، جو اسی طرز پر لکھے گئے ہین صرف فرق یہ ہے کہ ان پارون مین پارہ الم کی طرح "عقلیات" کا باب نہین ہے، جس پر گذشتہ تبصرہ مین خواجہ صاحب کو توجہ دلائی گئی تھی اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خواجہ صاحب اپنی تفسیر مین جابجا تعلیقات بھی لکھتے ہین، پارہ "سیقول" مین "الطلاق مرتان" الآیہ کے ذیل مین بھی ایک بسیط تعلیق لکھی ہے، جس مین مسائل طلاق کی توضیح کیگئی ہے، اسی سلسلہ میں ایک جگہ خواجہ صاحب لکھتے ہین "غیر مدخولہ عورت کو ایک ہی طلاق دیدینے سے وہ طلاق بائن ہو جاتی ہے"۔ افسوس ہے کہ خواجہ صاحب سے اس

مسئلہ مین شدید لغزش ہوئی کہ یہ حکم اور نص قرآن کے صریح مخالف ہے اور علاوہ ازین ائمہ [illegible]
مین سے کسی ایک کا بھی یہ فتوی نہین ہے، ضرورت ہے کہ خواجہ صاحب اپنی تفسیر کو شائع کرنے
سے پیشتر ہندوستان کے مستند علماء کے پاس بھیجا کرین جیسا کہ وہ خود پارہ الم کے دیباچہ [illegible]
وعدہ کر چکے ہین، تاکہ اس قسم کی فاحش غلطیان نہ رہجائین، ضخامت پارۂ سیقول ۱۴۸ [illegible]
۸۲ صفحے قیمت ہر ایک پارہ آٹھ آٹھ آنے پتہ :- منیجر نظام المشائخ، پوسٹ بکس نمبرہ دہلی۔

مجذوب، علامہ ابن تیمیہ نے ایک استفسار کے جواب مین مذہبی احکام اور شریعت [illegible]
کی نظر سے ان لوگون کا مقام بتایا ہے جو متصوفین کی اصطلاح مین "مجذوب" کہے جاتے
مین، مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی نے اسی استفسار کے جواب کا ترجمہ [illegible]
کے نام سے شائع کیا ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۳۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے
قیمت ۴ر پتہ :- پبلک لائبریری نمبر۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ،

سالومی، یورپ کے مشہور انشاپرداز اسکر وائلڈ نے ایک مذہبی تمثیلی فسانہ ڈرامہ سالومی
کے نام سے لکھا تھا، جس کا تعلق ہیرودیس انتی پاس کے زمانہ مین سالومی اور حضرت یوحنا سے ہے، اس
فسانہ کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانون مین ہو چکا ہے، اب اردو مین جناب مجنون گورکھپوری نے
منتقل کیا ہے، فسانہ کی جان زبان کی لطافت ہے جسکو جناب مترجم نے ترجمہ مین بہت کچھ قائم
رکھنے کی کوشش کی ہے، ابتدا مین جناب مترجم کا ایک مقدمہ بھی ہے جس مین اس فسانہ کی تصنیف
اور اس کے دیگر حالات بیان کئے گئے ہین، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۸۳ صفحے، قیمت ۱۲ر
پتہ :- دفتر نگار بھوپال یا بذریعہ مولوی احمد ذکی صاحب وکیل سرکار گورکھپور،

"ر"